ماہنامہ

حکمت بالغہ

اگست 2011

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:-0092-47-77628261

ای میل:hikmabaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ:

http://www.hikmatbaalgha.com

http://www.hamditabligh.net

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ الحاقہ (69) آیات 15-01

سورۃ الحاقہ مکی سورت ہے اس میں کل 52 آیات اور دو رکوع ہیں۔ یہ سورت قیامت کے اثبات، قرآن مجید کے منزل من اللہ اور سیدنا محمد ﷺ کے رسول برحق ہونے کے بیان پر مشتمل ہے۔ سورت کے ابتدا میں فرمایا کہ قیامت کا آنا ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جو ضرور برپا ہو کر رہے گی۔ رسولوں اور ان کی قوموں کی تاریخ گواہ ہے کہ جن قوموں نے اس کا انکار کیا وہ آخر کار عذاب کی مستحق ہو کر ہی رہیں۔ دنیا کی موجودہ زندگی کے بعد اس دوسری زندگی کو مقدّر فرمانے کا اصل مقصد یہ ہے کہ..... جنہوں نے دنیا کی زندگی میں نیک عمل کر کے اپنی آخرت کی بھلائی کے لیے پیشگی سامان کر لیا تھا وہ اس دن اپنا نامۂ اعمال دیکھ کر خوش ہو جائیں گے اور انہیں جنت کا ابدی عیش نصیب ہوگا۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور بندوں کے حقوق ادا نہ کیے انہیں اس دن اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور وہ زنجیروں میں جکڑ کر جہنم کی دہکتی آگ کے عذاب میں جھونک دیے جائیں گے۔ دوسرے رکوع میں قرآن مجید کی حقانیت وصداقت پر قسم کھائی گئی ہے کہ یہ قرآن کسی شاعر یا کاہن کا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے جو ایک باعزت رسول ﷺ (جبرئیل امین) کا لایا ہوا ہے۔ پیغمبر خود بھی ایک انتہائی دیانتدار انسان ہیں لہٰذا وہ اس میں اپنی طرف سے ایک لفظ گھٹانے یا بڑھانے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ یہ ایک یقینی برحق کلام ہے جو لوگ اس کو جھٹلائیں گے انہیں بالآخر پچھتانا پڑے گا۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَآقَّةُ O مَا الْحَآقَّةُ O

(وہ) سچ مچ ہونے والی (ہے) وہ سچ مچ ہونے والی کیا ہے؟

وَ مَا اَدْرٰكَ مَا الْحَآقَّةُ O

اور آپ کو کیا معلوم ہے کہ وہ سچ مچ ہونے والی کیا ہے

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَ عَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ O

ثمود اور عاد (دونوں) نے (اسی) کھڑکھڑانے والی کو جھٹلایا

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ O

سو ثمود تو کڑک سے ہلاک کر دیے گئے

فَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ O

رہے عاد تو ان کا نہایت تیز آندھی سے ستیاناس کر دیا گیا

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ

(اللہ نے) اس کو سات رات اور آٹھ دن ان پر چلائے رکھا

حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى

(اے مخاطب) تو لوگوں کو اس میں (اس طرح) ڈھیے (اور مرے) پڑے دیکھے

كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ O

جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ O

بھلا تو ان میں سے کسی کو بھی باقی دیکھتا ہے؟

وَ جَآءَ فِرْعَوْنُ وَ مَنْ قَبْلَهٗ وَ الْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ O

اور فرعون اور جو لوگ اس سے پہلے تھے اور وہ جو الٹی گئی بستیوں میں رہتے تھے

سب گناہ کے کام کرتے تھے

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً O

انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغمبر کی نافرمانی کی

تو اللہ نے بھی ان کو بڑا سخت پکڑا

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ O

جب پانی طغیانی پر آیا تو ہم نے تم (لوگوں) کو کشتی میں سوار کرلیا

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِیَهَا اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ O

تا کہ اس کو تمہارے لیے یادگار بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ O

تو جب صور میں ایک (بار) پھونک ماردی جائے گی

وَ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ

اور زمین اور پہاڑ دونوں اٹھا لیے جائیں گے

فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً O

پھر یک بارگی توڑ پھوڑ کر برابر کردیے جائیں گے

فَیَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ O

تو اس روز (سچ مچ) ہو پڑنے والی (یعنی قیامت) ہو پڑے گی

صدق اللہ العظیم

بائبل میں قوم لوط علیہ السلام پر عذاب کا ذکر (باب پیدائش آیت 24 تا 28)

اور زمین پر دھوپ نکل چکی تھی جب لوط ضُغر میں داخل ہوا۔ تب خداوند نے اپنی طرف سے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ آسمان سے برسائی۔ اور اس نے ان شہروں کو اور اس ساری ترائی کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اُگا تھا غارت کیا۔ مگر اسکی بیوی نے اسکے پیچھے سے مڑ کر دیکھا اور وہ نمک کا ستون بن گئی۔ اور ابرہام صبح سویرے اٹھ کر اس جگہ گیا جہاں وہ خداوند کے حضور کھڑا ہوا تھا۔ اور اس نے سدوم اور عمورہ اور اس ترائی کی ساری زمین کی طرف نظر کی اور کیا دیکھتا ہے کہ زمین پر سے دھواں ایسا اُٹھ رہا ہے جیسے بھٹی کا دھواں۔

رمضان المبارک

کا برکتوں اور رحمتوں والا مہینہ

انجینئر مختار فاروقی

عرفِ عام میں رمضان المبارک کا مہینہ صرف 'روزوں کا مہینہ' کے طور پر پہچانا جاتا ہے جب کہ قرآن مجید کے اندازِ بیان سے واضح ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ نزول قرآن کا مہینہ ہے۔ وہ قرآن مجید جو 'ھُدًی لِّلنَّاسِ' ہے۔ ہدایت کی آسان عام فہم باتوں پر مشتمل ہے اور الفرقان یعنی حلال وحرام میں واضح فرق بتانے والی کتاب ہے۔

گویا 'ھدی للناس' اور 'بینات' کا مرقع یہ قرآن مجید ــــــــ جس کے نزول کی وجہ سے رمضان المبارک کا ماہ مبارک غارِ حرا میں پہلی وحی کے سال سے 'مبارک' بن گیا تھا اور پندرہ سالوں سے یہ مہینہ ہر سال آتا تھا ــــــــ چپکے سے لوگ اسے عام مہینوں کی طرح گذار دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کو منتخب فرمایا ہے ''ماہِ صیام'' کے طور پر۔ گویا ــــــــ اس طرح اس مہینہ میں دو برکتیں جمع ہوگئیں۔ ایک نزول قرآن مجید کا مہینہ کا ہونے کی نسبت سے خصوصی برکات اور دوسرے اس ماہ کے روزے فرض ہونے پر اس ماہ کی سعادتیں۔

اس ماہِ مبارک میں نزول قرآن مجید کی برکات اور ربّ کائنات اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی برسات کا آج بھی بچشم سر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ عبرت پذیری کا مادہ ہو، آنکھیں کھلیں ہوں، کان بند نہ ہوں دماغ پر دنیاداری کا بھوت سوار نہ ہو اور دل میں رشتہ داریوں، کاروبار، مال، جاہ وحشمت اور حیثیت ودنیوی کی شدید محبت نے ڈیرے نہ ڈال رکھے ہوں۔ دل کا اگر کوئی گوشہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے خالی بھی ہو اور اس میں ذوق وشوق کا جذبہ بھی ــــــــ تو بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے کہ رمضان المبارک کی آمد پر ایسا انسان اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے نزول کی کیفیات محسوس

نہ کر سکے۔

رمضان المبارک کی آمد آمد ہے۔ ذرا ذہناً تیاری کرلیں اوراس ماہ رمضان المبارک کی برکتوں اورنزول قرآن مجید کی 'روح افزا' کیفیات کے تجربہ کے لیے مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق، حقیقت صوم وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں اور ـــــــ حضرت سلمان فارسی ؓ والی حدیث کو ایک سے زیادہ مرتبہ ترجمہ کے ساتھ پڑھیں اور رمضان المبارک کی آمد کا انتظار کریں۔ ماہ رمضان کا چاند دیکھنے کی سعی فرمائیں اور اہتمام کریں اوراس شام مغرب وعشاء کے وقت دوسرے نمازیوں کے مسجد میں آنے کا مشاہدہ کریں۔ آپ بھی درج ذیل حقائق کا مشاہدہ کریں گے:

1۔ شعبان المعظم کے آخری دن اذان مغرب کے ساتھ (چاہے ابھی اعلان نہ ہوا ہو اور چاند کا آپ نے خود دیدار نہ کیا ہو) اگر رمضان المبارک شروع ہو گیا ہے تو ہر نمازی پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے، نماز میں دل جمعی، رجوع الی اللہ، دعا میں حضوری کا احساس دامن گیر ہو جاتا ہے۔

2۔ رمضان المبارک کے چاند کے نظر آنے کی اطلاع آجائے تو آپ عشاء کے لئے مسجد جائیں گے تو نماز میں آپ کو مسجدیں کچھا کھچ بھری نظر آئیں گی، یہ کیا ماجرا ہے؟ ابھی تو صرف اعلان ہوا ہے کہ رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا ہے۔ مگر خلق خدا ـــــــ اللہ تعالیٰ کے نام لیوا، خواص اور ہمارے جیسے عام آدمی سب مسجدوں میں گھیر گھیر کر لائے جا رہے ہیں۔ یہ بات آپ کے مشاہدہ میں آئے تو اس پر غور فرمائیں، اس کی توجیہ تلاش کریں ـــــــ جتنا غور کریں گے سوائے اس کے اور کوئی وجہ عالم اسباب میں نظر نہیں آئے گی کہ اس ماہ رمضان کی خصوصی غیر مرئی، روحانی کیفیات ہیں اور نزول قرآن (ہدایت کے عام ہونے) کا مہینہ ہونے کے سبب ارواح انسانی ـــــــ اپنے فطری جذبے کے تحت خود بھی اور اپنے ساتھ اجساد کو بھی گھسیٹے مسجدوں اور ایسی پرسکون جگہوں پر لا رہی ہیں جہاں تازگی ہے سکون ہے، اطمینان ہے، انابت الی اللہ کا ماحول ہے اور توبہ واستغفار کی دل خوش کن صدائیں ہیں۔ یہاں پہنچ کر ارواحِ انسانی ایسے محسوس کرتی ہیں جیسے مچھلی پانی میں آ گئی ہو اور مضطرب دلوں کو قرار آ گیا ہو۔ یہی علامات نزول قرآن مجید کا مہینہ ہونے کی نشانیاں اور رحمتوں کے نزول کا عکس جمیل ہیں۔

3۔ اس ماہ کی دوسری برکت ـــــــ جو ماہ صیام ہونے کی بنا پر ہے اس کا مشاہدہ بلکہ

تجربہ ہر کس و ناکس اور ہر پیر و جوان کو ہوتا ہے مگر ہم اس پر توجہ نہیں کرتے اور اس پر قرار نہیں پکڑتے ـــــــــ ان لمحات کو 'امر' کرنے کی ضرورت ہے۔

ہر مسلمان جب روزہ رکھتا ہے اُسے ایک ذاتی تجربہ ہوتا ہے کہ اس کے اندر صبر، برداشت اور تحمل پیدا ہوا ہے۔ بڑوں، نوجوانوں اور بچوں سب کو تجربہ یہ ہوتا ہے کہ صبح سحری میں کھانا پینا بند کر کے دل میں روزے کی نیت کرنے کے بعد روزہ شروع کرتے ہیں، دوپہر میں کبھی انسان کو بھوک پیاس لگتی ہے، موسم سخت ہوتا ہے، گھر میں سامانِ خورد و نوش موجود ہے۔ کبھی گھر میں انسان خود اکیلا ہوتا ہے کوئی دوسرا نہیں ہوتا ـــــــــ مگر روزہ دار انسان (حتیٰ کہ نوعمر بچے بھی) کچھ نہیں کھاتے پیتے کہ اُنہوں نے روزہ رکھا ہوا ہے اور روزے کی نیت کر رکھی ہے۔ کھانا پینا سامنے ہو، اکیلا بھی ہو، بھوک بھی ہو مگر صرف ـــــــــ روزے کی نیت اور اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے ایک انسان کھانے پینے سے بچتا ہے کہ روزہ رکھا ہوا ہے یہ احساس انسان میں خود اعتمادی پیدا کرتا ہے انسان کو خود اپنے اندر پوشیدہ 'خودی' کی طاقت اور 'قوت ارادی' کی اثر آفرینی کا حیران کن تجربہ ہوتا ہے کہ میں تو نیت اور ارادہ کر لوں تو کھانے پینے سے بھی اجتناب کر سکتا ہوں، کھانا پینا تو زندہ رہنے کے لئے بہت ناگزیر ہے جبکہ دیگر غلط کام جن سے ذرا سی فوری لذت حاصل ہوتی ہے اور وہ بھوک پیاس کی طرح انسان کو بے بس نہیں کر سکتے ـــــــــ ان کو چھوڑنا بھی میرے لیے از حد آسان ہے۔ شرط یہ ہے کہ ارادہ کر لیا جائے یعنی سچی توبہ کر لی جائے۔

اسی احساس کے تحت انسان اس ماہِ صیام میں ہفتہ عشرہ گزرنے پر توبہ کے بارے میں سوچتا ہے اور ہر ایک اپنی ہمت کے مطابق آگے بڑھتا ہے۔ کوئی سستی دکھا جاتا ہے کوئی ہمت کر کے آگے نکل جاتا ہے۔

جو ٹھٹھک کر رہ گیا وہ رہ گیا اِدھر
جس نے لگائی ایڑھ وہ خندق کے پار تھا

اس ماہ کے اختتام تک کچھ لوگ توبہ کر کے گناہوں سے پاک صاف ہو جاتے ہیں جبکہ اکثریت جیسے 29 شعبان کو تھے رمضان المبارک کی مشقّت کے بعد پھر یکم شوال کو ویسے ہی ہوتے ہیں اور ساری محنت و مشقت و مجاہدات بے نتیجہ رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس ماہ رمضان کی

برکات سے خلوص دل سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اس ماہ صیام کے دوران راتوں کو قرآن کیلئے جاگنے کی جدوجہد کے بعد جو لوگ سرخرو ہوکر نکلنے ہیں ان کے لئے قرآن مجید فرماتا ہے ــــ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ ــــ پس انہیں چاہیے کہ وہ میری پکار پر لبیک کہیں ـــــ یعنی جہاد کی پکار آئے تو رمضان المبارک کی روز وشب کی مشقت اور تربیت کا حاصل یہ ہے کہ انسان اب اللہ کی پکار پر جلد حاضر ہو جائے اور یہ پکار جہاد ہی کی پکار ہو سکتی ہے۔ اس راہ میں ایک سچے مسلمان کی کیفیت تو ان اشعار کے مصداق ہی ہونی چاہیے

واپس نہیں پھیرا کوئی فرمان جنوں کا
تنہا نہیں لوٹی کبھی آواز جرس کی
خیریّتِ جان، راحتِ تن، صحتِ داماں
سب بھول گئیں مصلحتیں اہل ہوس کی!

آج مسلمان کو اسی طرح کے جذبے کی ضرورت ہے رمضان المبارک کا مہینہ آنے والا ہے کاش ہم مسلمان اس ماہ میں وہ جذبہ حاصل کر سکیں جو قرآن تقاضا کرتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم آج امریکی غلامی ـــــ سے آزادی سے نہ حاصل کر سکیں۔

حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ میں 9 رمضان المبارک آئے چونکہ رمضان المبارک کے مجاہدات کا براہ راست تعلق جہاد سے ہے لہٰذا سیرت النبیؐ میں بھی ایسا ہی ہوا کہ آپ ﷺ نے 5 رمضان المبارک سفر جہاد یا جہاد کی تیاری میں لگا دیے اور صرف 4 رمضان المبارک گھر میں 'حضر' کی حالت میں گزارے۔

معرکہ بدر کی فتح 17 / رمضان 2ھ کی ہے۔ اُحد کی جنگ 7 شوال 3ھ کی ہے۔ فتح مکہ 20 رمضان 8ھ کا ہے۔ سفر تبوک کے دوران 9 ہجری کا رمضان المبارک آیا۔ یہ حالت سفر میں ہی آ گیا۔ اللہ تعالیٰ ہماری زندگیوں کو بھی اُسوۂ رسول ﷺ کا کامل نمونہ بنا دے اور ہمیں پورے دین پر چلنے والا بنا دے۔ آمین

ترقی یافتہ ممالک اور مغربی تہذیب کا سرخیل

GAY-LORD امریکہ

اور اس کا تہذیبی مستقبل

فطرت انسانی میں نیکی اور بدی کے داعیات ودیعت کیے گئے ہیں اور اسی کے ذریعے حضرت انسان کو اس دنیاوی زندگی میں ایک امتحان اور آزمائش سے دوچار کیا گیا ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہی ہے کہ یہ زندگی عارضی ہے اور ایک دوسری زندگی ضروری ہے جہاں کے انداز اور فطری ضابطے مختلف ہوں، اس زندگی کے نتائج نکلیں اور انسان آنے والی زندگی میں اپنے اچھے یا بُرے رویوں کا دائمی زندگی کی صورت میں نتیجہ دیکھ سکے۔

فطرت انسانی کا تقاضا بھی یہی ہے اور نوع انسانی کی فلاح و بہبود (WELFARE) کا مقصود بھی یہی ہوسکتا ہے کہ نیکی کے رویّے فروغ پائیں اور ایسا ماحول فراہم کیا جائے کہ انسان اپنے باطنی احساسات کے تحت نیکی کے رویے اپنا کر دوسروں کے بھی کام آئے اور بعد میں آنے والی آخرت کی زندگی میں خود بھی سرخرو ہوسکے۔ ایسے لوگ ہی حقیقی معنی میں انسان دوست، علم دوست اور انسانی اقدار کے حامی ہوسکتے ہیں، ایسے لوگوں کی جتنی تعریف کی جاسکے وہ کم ہے یہی لوگ انسانیت کے محسن ہیں اور انسانیت کا حسن بھی۔

نیکی کے انہی مثبت جذبوں کا تقاضا ہے اور ہر انسان کا یہی فرض بھی بنتا ہے کہ وہ نیکی کے دشمن، نیکی کو ختم کرنے والے، نیکی کے فروغ کے راستے میں رکاوٹ بننے والے تمام افراد، اداروں، نظریات اور منفی رویوں کی اشاعت کرنے والی ہر قوت کو ختم کرنے اور اس کے استیصال (ERADICATION) کے لئے کام کرے۔ اسی اُصول کی بنا پر دنیا بھر کے معاشروں میں معاشرتی برائیوں (SOCIAL EVILS) کے خلاف سرکاری اور غیر سرکاری دونوں سطح پر کام ہوتا ہے ادارے ہیں قانون ہے اور قانون کی خلاف ورزی پر سخت سزائیں بھی۔

نیکی کے مقابلے میں برائی کا جذبہ بھی انسان کے اندر ہی ودیعت شدہ ہے اور اس کے ذریعے انسانی ضمیر اور باطن میں خلش، بے چینی، بے اطمینانی اور احساسِ جرم

(GUILTY CONSCIENCE) پایا جاتا ہے اور انسان اپنے فطری داعیات کے تحت برائی سے بچنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔

انفرادی سطح پر برائی کا جذبہ ظاہر ہو جائے یا انسان برائی کا ارتکاب کر بیٹھے، دو چار افراد کسی برائی میں ملوث ہو جائیں یہ بھی ممکن ہے۔ ہر انسان میں انسانی برائیاں کسی نہ درجے میں موجود ہوتی ہیں۔ اچھے معاشروں میں بُرے افراد کا تناسب بہت کم ہوتا ہے اور جب تک قانون کی زد میں نہ آجائیں یہ برائیاں قابل درگزر بھی ہیں۔ یہ میدان وعظ، تبلیغ و نصیحت کا ہے اور دین کے غمخواروں اور بہی خواہوں کی صلاحیتوں کے اظہار کا بھی۔

تاہم یہی خفیف درجے کی برائیاں اور چند افراد فی لاکھ افراد سے بڑھ کر یہ تعداد چند افراد فی ہزار ہو جائیں یا بات ایک فیصد یا دو فیصد تک پہنچ جائے تو یقیناً اجتماعی سطح پر باعث تشویش ہے اور زبردست اصلاحی اقدامات کی متقاضی ہے اس سے آگے اگر یہی برائی اور اس کے مرتکب حضرات کسی نادیدہ خفیہ..... ہاتھوں میں کھیلنے لگیں برائی منظم انداز میں ہونے لگے اس کے طور طریقے، اس کی اشاعت عوامی سطح پر آجائے تو یہ کیفیت اس بات کی علامت ہوگی کہ یہ معاشرہ اندر سے گل سڑ چکا ہے۔ DECAY بہت بڑھ چکی ہے اور اگر ہنگامی بنیادوں پر اصلاح کی کوشش نہ کی گئی تو یہ معاشرہ کینسر کی مریض کی طرح ختم ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ ہے وہ ایک برگزیدہ انسان اور پیغمبر تھے وہ جس قوم کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے اس قوم میں دیگر خرابیوں کے علاوہ ایک اخلاقی برائی رواج پا چکی تھی ـــــ اور وہ تھی مردوں کا عورتوں کو نظر انداز کر کے آپس میں جنسی اختلاط۔ اس برائی کے ارتکاب میں وہ اس حد تک جری ہو گئے تھے کہ پبلک مقامات پر کھلے عام یہ برا فعل سب کے سامنے کرتے، مقابلے منعقد کراتے تھے اور یوں اس برائی کے فروغ کے لئے ہر سطح پر شوق پیدا کر کے آگے بڑھنے اور اس میں نمایاں ہونے کا جذبہ ہر انسان میں پیدا ہو گیا تھا۔ جس کی اصلاح کے لئے حضرت لوط علیہ السلام نے کوششیں کیں ـــــ مگر وہ کوششیں بار آور نہ ہو سکیں اور ساری آسمانی کتابیں اور پیغمبروں کے ماننے والے گواہ ہیں کہ بالآخر اس قوم پر عذاب آ گیا۔ یہ

قوم مشرق وسطیٰ میں ایک چھوٹے سمندر کے کنارے آباد تھی مشہور اور بدنام زمانہ بستیاں (آج کی ہالی وڈ اور بالی وڈ کی طرح) سدوم (SODOM) اور عاموره (GOMMORAH) اس کے مرکز تھے۔ پتھروں کے برسنے کے عذاب سے یہ سمندر بھی کھارا ہو گیا اور خشک ہو کر وہ سمندر اب بحیرۂ مردار (DEAD SEA) کی شکل اختیار کر گیا ہے اور وہ بستیاں بھی تباہ ہو گئیں۔ اس سمندر کو بحیرۂ مردار اسی لئے کہتے ہیں۔ ہیروشیما اور ناگاساکی کی ایٹمی تباہی سے بھی سینکڑوں گنا بڑی تباہی آئی کہ آج بھی نہ اس سمندر میں زندگی کے آثار ہیں اور نہ علاقے میں تین ہزار سال سے حیات انسانی کا پہلے کی طرح فروغ ہو سکا ہے۔ ایسا ہی کچھ معاملہ اٹلی (یورپ) میں پومپیائی کے غاروں کا بھی ہوا تھا جہاں اسی طرح کی کوئی قوم تباہی کا شکار ہو گئی۔

آج کی ترقی یافتہ مغربی تہذیب اور G-15 کے دیگر ممالک کے معاشروں کا بجا طور پر امریکہ سرخیل ہے۔ وہاں 1776ء میں آزادی کے بعد سے مسلسل جدوجہد کے بعد امریکی معاشرہ نے آج یہ موجودہ مقام حاصل کیا ہے۔ اس امریکی قوم کا نعرہ 1776ء سے ہی ORDO NOVO SECLORUM ہے جو ایک ڈالر کے امریکی کرنسی نوٹ پر تسلسل کے ساتھ چھپ رہا ہے۔

1960ء کے عشرے سے سرکاری سطح پر ایسے اقدامات ہوئے اور تعلیمی پالیسی بنی کہ ہر سطح پر امریکی شہریوں کو مذہب سے کاٹ دیا گیا اور سیکولر سوچ کو فروغ دیا گیا۔ ــــ آزادی ــــ بمعنی LIBLERISM ہر قانون، ہر ضابطے، ہر اخلاقی بندش سے آزادی ــــ ہر معاشرتی دباؤ سے بغاوت اور ہر مذہبی قانون بشمول تورات انجیل کے آسمانی قانون سے سرکشی۔ اس طرزِ عمل سے یہ معاشرہ ــــ تیزی سے زوال پذیر ہونا شروع ہوا اور اخلاقی قدروں سے مسلسل انکار سے ابلیسیت اور بے حیائی کو جواز مل گیا۔ ہر برائی امریکی معاشرہ کی نظر میں ایک VALUE بن گئی۔

بظاہر لبرل ازم کے نعرے سے VALUELESS اور MORALLESS معاشرہ بنانے کے داعیوں کے زیر اثر امریکی معاشرہ نے ایسی شکل اختیار کی جس کی اقدار VALUES حیوانیت قرار پائی۔ اس لئے کہ مذہب ہی انسان کو 'حیوان' سے برتر قرار دیتا ہے اور

مذہبی قانون سے بغاوت سے سیکولرازم نے انسانیت کو حیوانیت کی طرف دھکیل دیا۔

اس معاشرے کی اقدار ــــــــ علی اعلان جنسی اختلاط، جانوروں کی طرح رشتوں کی تمیز کا خاتمہ، لباس سے عاری ہوکر عریانیت (NUDISM) کا بطور ایک قدر (VALUE) اور مطمع نظر کے فروغ۔ اسی سمت میں آگے بڑھ کر عیاشی کے عادی لبرل انسانوں نے گھر گھر ہستی کی ذمہ داریوں سے فرار اختیار کرلیا اور انسانی آبادی کی شرح خوفناک حد تک گرنے لگی چنانچہ عورتوں سے بڑھ کر مردوں کو مردوں سے زیادہ دلچسپی ہوگئی، انتہائی درجے میں دو مردوں کی شادی کی اجازت مل گئی اور کئی امریکی ریاستوں (یورپی معاشروں اور بعض مشرقی ملکوں اور بھارت کی ریاستوں میں بھی) دو مردوں کی شادی کو قانوناً تسلیم کرلیا گیا اور وراثت کا حق دار بھی۔

جس جس معاشرے میں عمل قومِ لوط علیہ السلام فروغ پا جائے وہاں شرح پیدائش اور آبادی کی بڑھوتری ایک متروک اصطلاح ہی شمار ہوسکتی ہے لہٰذا کم سے کم مطلوب شرح پیدائش 2.2% سے گر کر اب امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، فرانس میں یہ شرح پیدائش کہیں کم ہوگئی ہے اور اٹلی وغیرہ کے ممالک میں یہ شرح 1.1% تک آ گئی۔ اس طرح ہر خاندان میں شرح پیدائش تقریباً ایک بچہ رہ گئی جو آئندہ مزید کم ہوکر اس معاشرے کے نام ونشان کو مٹانے کا باعث ہوگئی۔

امریکی معاشرے (اور اس کے ہم خیال دوسرے ترقی یافتہ معاشروں کو) اس سیکولر اندازِ فکر اور لبرل ازم پر فخر ہے، مردوں کی آپس میں شادی کے فروغ سے خوش ہیں اور کامیابی کے جشن منا رہے ہیں۔ پاکستان میں گزشتہ دنوں امریکی سفارت خانہ کے زیر اہتمام امریکیوں، امریکی نمک خواروں اور عمل قوم لوط علیہ السلام کے پرستاروں کا اجتماع ہوا۔ جس میں حاضری ان کے اپنے اندازوں سے بہت ہی کم رہی۔

امریکی معاشرے کی اس اخلاقی حالت کو امریکی دماغ اور منصوبہ ساز اپنی کامیابی قرار دے رہے ہیں اور 'خرد کا نام جنوں' اور 'جنوں کا نام خرد' رکھ کر بہت خوش ہیں۔ اسی خوشی کا مظہر ہے کہ 1998ء میں ایک امریکی مصنف FUKU YAMA نے ایک کتاب لکھی جس نام تھا

"THE END OF HISTORY AND THE LAST MAN".

اس کتاب میں امریکی ELITE طبقہ کے مطابق امریکی لبرل ازم اور سیکولرازم کے تصوّرات کے

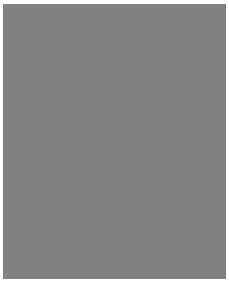

تحت جو ترقی ہوئی ہے اس جیسی ترقی تاریخ میں پہلے کبھی نہیں ہوئی اور امریکی معاشروں میں انسان جہاں تک پہنچ چکا ہے وہ END OF HISTORY ہے، اس سے آگے انسان جا ہی نہیں سکتا اور اس سے آگے کوئی درجہ ممکن نہیں ہے اور ـــــــ ان کے نزدیک انسانی ترقی اور سوچ کا اعلیٰ ترین درجہ یہی ہے۔ یہ 1998ء کی بات ہے۔

اسی امریکی معاشرہ کی ایک اور تصویر ایک دوسرے زاویے سے ایک اور امریکی مصنف

نے پیش کی ہے اور وہ تصویر فوکو یاما کی پیش کردہ تصویر کے بالکل برعکس ہے۔ یہ کتاب بھی 1998ء ہی میں طبع ہوئی اور NEW YORK TIMES کی BEST SELLER کتاب بنی۔ اس کتاب کے پہلے صفحے کا عکس سامنے دیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مصنف ہیں امریکی اعلیٰ عدالت کے ایک ریٹائرڈ جج ROBERT H. BORK۔ اس کتاب کے عنوان کا مطلب ہے امریکی قوم (1998ء سے) قوم لوط علیہ السلام کے سے انجام (عذاب) کی طرف تیزی سے لڑھک رہی ہے اور مصنف کے نزدیک اس کی وجہ امریکی لبرل ازم کا فروغ ہے جس سے امریکی معاشرہ تیزی سے زوال پذیر ہے۔ اور مصنف کے نزدیک شاید اب اس کی اصلاح ممکن ہی نہ ہو۔ ایک پیراگراف میں مصنف لکھتا ہے کہ پہلے یورپ کو ترکوں نے فتح کیا تھا اور افریقہ سے آٹھویں صدی کے مسلمانوں نے۔ مگر اب مغربی سیکولر معاشروں کو کسی خارجی حملہ آور کی ضرورت نہیں ـــــــ یہ معاشرے شرح آبادی کی خطرناک کمی کی وجہ سے خود معدوم ہو جائیں گے یا اپنے طرز عمل کی وجہ سے عذاب الٰہی کا شکار ہو جائیں گے۔

قارئین کرام! ذرا غور فرمائیں کہ 1998ء سے لبرل ازم کے پرستار اپنے معاشرے کی ترقی اور معراج پر نازاں ہیں اور حکومتی سطح پر یہی پالیسی اب بھی جاری ہے۔ مگر اہل علم کے نزدیک یہ معاشرہ 1998ء سے 'عامورہ' اور 'سدوم' کی تباہی والے حالات کی طرف تیزی سے لڑھک رہا ہے

حالات سب کے سامنے ہیں ہر ذی شعور انسان بچشم سر مشاہدہ کر سکتا ہے کہ امریکی معاشرہ کدھر جا رہا ہے اور آج وہ ہمیں بھی اپنے ساتھ گھسیٹ رہا ہے۔ گویا

SLOUCHING TOWARS GOMMORAH

MODERN LIBERALISM AND AMERICAN DECLINE

ROBERT H. BORK

ع خود تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

پاکستان میں امریکہ کے گن گانے والوں اور NGO'S کی شکل میں ڈالر وصول کرنے والوں کی کمی نہیں۔امریکی نمک خواروں کی بھی بہتات ہے۔ ہمارے اشاعتی ادارے اور ڈالروں کے عوض لکھنے والے کرائے کے اہل قلم ابھی بھی امریکی معاشرے کی تعریف میں اور لبرل ازم کے محاسن پر کتابیں لکھ رہے ہیں اور ہمارے مذہبی تصورات اور ان کی پاکیزہ اقدار کا مذاق اڑا رہے ہیں۔(سوچ کا سفر، تہذیبی نرگسیّت وغیرہ جیسی کتابیں اس کی مثالیں ہیں)

پاکستان میں امریکی ڈالروں کی بارش اور بہتات سے یہ لوگ بصارت وبصیرت سے اس قدر بے بہرہ ہو چکے ہیں کہ انہیں 1998ء میں چھپ کر BEST SELLER کا درجہ حاصل کرنے والی کتاب کا نام بھی اپنے ملک میں متعارف کرانے کا خیال نہیں آیا۔اس لئے کہ یہ امریکی سرکاری پالیسی کے خلاف ہے۔غیر سرکاری وفود اور علماء وصلحاء اور مصلحین کے امریکہ کے دعوتی وتبلیغی دورے کثرت سے ہوتے ہیں وہ بھی اس قسم کے امریکی معاشرے کی تصویر ہم وطن مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

اس خوفناک علمی قحط اور مخلص اہل علم کے فقدان کا حاصل یہ ہے کہ یہ ہمارے معاشرے کے کئی بے علم حضرات آج بھی اپنا سب کچھ بیچ کر 'امریکی جہنم' میں جا بسنے کے لئے امریکی گرین کارڈ حاصل کرنے کو دنیا کی سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہیں جبکہ معتدل مزاج امریکی دانشور آج سے دس پندرہ برس قبل سے دنیا کو اس قوم کی تباہی اور عذاب الٰہی سے ڈرا رہے ہیں۔

اوپر درج حقائق کی روشنی میں اس نتیجہ تک پہنچنا کوئی مشکل کام نہیں ہے کہ آج کی جابر سپر پاور امریکہ اور اس کے حواری ـــــــ درحقیقت معنوی لحاظ سے کہاں کھڑے ہیں اور ان معاشروں کا منطقی انجام کیا ہونے والا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس مغربی تہذیب کی ڈوبتی کشتی پر سوار ہونے سے بچائے اور تباہی کے کنارے پہنچے اس معاشرہ کی لپیٹ اور حمایت سے بھی بچائے۔اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم بھی قابل احترام رابرٹ ایچ بارک کی طرح آج مغربی معاشروں کو اُن کے انجام بد سے متنبہ کر کے اپنا دینی فریضہ سرانجام دے سکیں۔آمین ـــــــ یاربّ العالمین

و ماعندی سوا ذاك المقال

خودی اور تخلیق

ڈاکٹر محمد رفیع الدین (مرحوم)

کی کتاب 'حکمت اقبال' سے ایک باب

تخلیق کائنات کا سبب

تخلیق کائنات کا باعث خودی کا مرکزی وصف محبت ہے جس کی طرف اقبال بار بار زوردار الفاظ میں توجہ دلاتا ہے۔ خودی ہمہ تن محبت ہے اور اس کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک نصب العینی حسن کے محبوب کی محبت کا جذبہ محسوس کرتی ہے، اس سے شدید محبت کرتی ہے اور ہر قسم کی ممکن رکاوٹوں اور مزاحمتوں کو راستہ سے ہٹاتے ہوئے اس کی سمت میں اپنے عمل کو جاری رکھتی ہے یہاں تک کہ اسے پالیتی ہے۔ نصب العین کی محبت کا یہ وصف جس طرح سے انسانی خودی میں موجود ہے اسی طرح سے کائناتی خودی میں بھی موجود ہے اور دونوں صورتوں میں وہ خود بخود اپنا اظہار پاتا ہے اقبال نے اپنے خطبات میں لکھا ہے:

> ''حقیقت کائنات کوئی ایسی قوت حیات نہیں جو کسی نصب العین سے بے نیاز ہو بلکہ اس کی فطرت سراسر نصب العین کی جستجو ہے۔''

انسان کا نصب العین خدا ہے اور خدا کا نصب العین انسان کی وہ حالت کمال ہے جو اس کے جسمانی کمال کے علاوہ جسے مدت ہوئی وہ حاصل کر چکا ہے اور تمام کمالات یعنی علمی، اخلاقی، روحانی اور جمالیاتی کمالات کی آئینہ دار ہوگی اور جو حالت کمال ہونے کی وجہ سے تمام تعارضات اور تضادات سے مبرّا ایک وحدت ہوگی۔ کمال حسن کی اس حالت پر پہنچی ہوئی نوع انسانی کے لئے بطور ایک نصب العین کے خدا نے محبت کا احساس کیا لہٰذا جوش محبت سے اسے وجود میں لانے کا

ارادہ کیا اور اسے لفظ "کُنْ" (ہوجا) کہا تا کہ وہ وجود میں آئے۔ کیونکہ قرآن حکیم میں ہے کہ خدا جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے۔ اس قول کن کا نتیجہ یہ ہے کہ اب وہ بتدریج عالم وجود میں آرہی ہے یعنی ایک ابتدائی حالت سے آغاز کر کے اپنی حالت کمال کی طرف آگے بڑھ رہی ہے۔ کائنات کی اس تدریجی ترقی کا مقصد انسان کی تکمیل ہے کیونکہ صرف انسان ہی خدا کے قول کن کا مدعا اور مخاطب اور اس کے تخلیقی عمل کا نشان یا مقصود ہے۔

ے ضمیر کن فکاں غیر از تو کس نیست
نشان بے نشاں غیر از تو کس نیست

انسان خدا کا محبوب اور مقصود ہے

جب خدا کی محبت کائنات کی تخلیق اور تدریجی ترقی کی صورت میں اپنے مطلوب کی جستجو کرنے لگی تو اس کا نتیجہ انسان تھا۔ یہی سبب ہے کہ خدا کی محبت کا جلوہ پوری کائنات اور کائنات کی ہر چیز کی تدریجی ترقی اور تربیت کی صورت میں اس کائنات کے مادی پردہ کے پیچھے صاف طور پر نظر آرہا ہے۔

ے عشق اندر جستجو افتاد و آدم حاصل است
جلوہ او آشکار از پردہ آب و گل است

اپنی حالت کمال پر پہنچی ہوئی نوع انسانی خدا کا وہ محبوب ہے جو اس سے کھو گیا ہے اور اب خدا کائنات کے طویل ارتقائی عمل کے ذریعہ سے اس کی جستجو کر رہا ہے۔ خدا بھی ہماری طرح ایک آرزو رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسے پیکر خاکی کا دیدار کرے جس کا حسن درجہ کمال پر ہو اس کے دیدار کے لئے اس نے یہ ہنگامہ عالم برپا کیا ہے رنگ و بو کا یہ تماشا خانہ محبوب کے نظارہ کے لئے ایک بہانہ ہے ورنہ اس کا مدعا اور کچھ نہیں:

ما از خدائے گم شدہ ایم او بجستجو ست چوں ما نیاز مند و گرفتار آرزو ست
ہنگامہ بست از پے دیدار خاکیے نظارہ را بہانہ تماشائے رنگ و بو ست

کائنات خدا کی ایک آیت یا نشان ہے لیکن آیت کا مطلب بہت دیر کے بعد کھلنے والا ہے کیونکہ اس کا مطلب وہ انسان ہے جو کائنات کے ایک طویل تدریجی ارتقا کے نتیجہ کے طور پر

آئندہ اپنے کمال کو پہنچے گا۔ کائنات کی مادی، حیاتیاتی اور نفسیاتی یا انسانی سطحوں پر خدا کی رنگا رنگ مخلوقات کے قافلے جو ارتقائے کائنات کے مقامات اور مدارج ہیں اسی انسان کی تخلیق اور تکمیل کے سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

؎ آیہ کائنات کا معنی دیر یاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

وقت کی رفتار یا گردش روزگار جو کائنات کے تدریجی ارتقاء کو اپنے ساتھ لاتی ہے اس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ انسان کی خودی اپنے کمال کو پہنچے اور پوری طرح سے آشکار ہو جائے۔

؎ یہ ہے مقصد گردش روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

اقبال کو بجا طور پر اس بات کی شکایت ہے کہ ہمارے علماء دین جو اس بات کی طرف بار بار توجہ دلاتے رہتے ہیں کہ خدا انسان کا محبوب ہے اور انسان کو چاہیے کہ خدا کی عبادت اور اطاعت کرے، بہت کم اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ انسان بھی خدا کا محبوب ہے اور خدا..... کے لئے وہ سب کچھ کر رہا ہے جو اسے ایک محبوب کے لئے جسے وہ ترقی دے کر حسن و کمال کی انتہا تک پہنچانا چاہتا ہے، کرنا چاہیے۔

؎ یہ راز ہم سے چھپایا ہے میر واعظ نے
کہ خود حرم ہے چراغ حرم کا پروانہ

ظاہر ہے کہ یہاں حرم خدا سے اور چراغ اُمت مسلمہ سے (جو نوع انسانی کے لئے خدا کی روشن کی ہوئی ایک شمع ہے) استعارہ ہے۔

یہی سبب ہے کہ مسلمانوں میں اپنے مستقبل کے متعلق ایک گہری مایوسی پھیلتی جا رہی ہے۔ افسوس کہ خدا کا نور جن نگاہوں کے نظاروں کی تمنا خود کر رہا تھا وہی نگاہیں خدا کے نور کے دیدار سے مایوس ہو گئی ہیں۔

؎ خود تجلی کو تمنا جن کے نظاروں کی تھی

وہ نگاہیں نااُمید نور ایمن ہوگئی

عمل تخلیق ایک دوسرے کے لئے خدااورانسان کی جستجو ہے

چونکہ انسان کا محبوب خدا ہے اور خدا کا محبوب انسان ہے خدااور انسان دونوں کائنات کے ارتقائی عمل کے ذریعے سے ایک دوسرے کی جستجو کررہے ہیں جب انسان اپنی حالت کمال کو پہنچے گا تو اس وقت ایک طرف سے خدا انسان کو پائے گا اور دوسری طرف سے انسان خدا کو پائے گا

؎ تلاش او کنی جز خود نہ یابی
تلاش خود کنی جز او نہ بینی

اس طرح سے جب خدا کو پانے سے انسان کی اپنی خودی کا مخفی حسن بے حجاب ہوگا تو یہی وقت ہوگا جب انسان کے لئے خدا کا حسن بھی پوری طرح سے بے حجاب ہوگا خدا کی نمود انسان کی نمود ہے اور انسان کی نمود خدا کی نمود ہے

؎ نمود اس کی نمود تیری، نمود تیری نمود اس کی
خدا کو تو بے حجاب کردے، خدا تجھے بے حجاب کردے

خدااور انسان دونوں کی ایک دوسرے کیلئے جستجو کا عمل ایک ہی ہے یہاں تک کہ یہ کہنا کہ اس عمل کے ذریعہ سے خدا انسان کی جستجو کررہا ہے یا یہ کہنا کہ انسان خدا کی جستجو کررہا ہے ایک ہی بات ہے

؎ در خاکدان ما گہر زندگی گم است
ایں گوہرے کہ گم شدہ ما ایم یا کہ او است

ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات ہر لمحہ بدل کر ایک نئی حالت اختیار کرلیتی ہے۔

؎ ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ تازہ ہے شان وجود

تغیرات کے اس غیر متناہی سلسلہ سے خود ثابت ہوتا ہے کہ کائنات ابھی نامکمل ہے اور اس سے پہلے کہ یہ اپنی حالت کمال کو پہنچے جہاں انسانیت کاملہ کا ظہور ہوا سے ابھی بہت سی منزلوں سے گزرنا ہے۔

؎ یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید

کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

ان تغیرات کی وجہ یہ ہے کہ کائنات بہتر سے بہتر حالتوں کو اختیار کرنا چاہتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات خود شہید آرزو ہے اور ہر آن ایک زیادہ خوبصورت اور پھر اس سے بھی زیادہ خوبصورت پیکر کی تمنا اسے دامن گیر رہتی ہے اس کی جستجو اس وقت ختم ہوگی جب نوع انسانی اپنی حالت کمال کو پہنچے گی۔

؎ فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو

''رہتی نہ ہو'' کا مطلب یہ نہیں کہ کہنے والے کو شک ہے کہ شاید فطرت ہستی شہید آرزو نہ بھی رہتی ہو بلکہ مخاطب پر اس سوال کا جواب چھوڑنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک بلیغ اور موثر طرزِ بیان سے بتایا جائے کہ وہ درحقیقت شہید آرزو رہتی ہے۔ یعنی مخاطب خود بھی غور کر کے دیکھ لے کیا کائنات کے حقائق صاف طور پر بتا نہیں رہے کہ کائنات کے اندر بھی ایک آرزوئے حسن موجود ہے جس کی وجہ سے وہ ایک ایسے پیکر سے آراستہ ہونا چاہتی ہے جو منتہائے حسن و کمال ہو اور یہ پیکر حسن اسے اس وقت نصیب ہوگا جب ایک طرف سے انسانیت کاملہ خدا کو پائے گی اور دوسری طرف سے خدا انسانیت کاملہ کو پائے گا۔

تخلیق کی حقیقت

خدا کی تخلیق اگر کسی کھوئے ہوئے محبوب کی جستجو کی صورت اختیار کر رہی ہے اور تخلیق کے دوران خدا کی صفات حسن و کمال اپنا اظہار پا رہی ہیں تو اس میں تعجب کی بات کون سی ہے۔ تخلیق کا مطلب ہی یہ ہے کہ کسی محبوب کی جستجو کرنا جس سے محبوب کے سامنے اپنی صفات اور ممکنات کا اظہار ہو۔

؎ آفریدن جستجوئے دلبرے وا نمودن خویش را بردیگرے

وجود یا خودی یا زندگی کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ تخلیق میں اپنے آپ کا یعنی اپنی صفات کا اظہار کرتی ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ خودی یا زندگی یا وجود ہی نہ ہو۔ خودی کے لئے تخلیق یا جستجوئے محبوب ضروری ہے

؎ گفت موجود آنکہ مے خواہد نمود آشکارائی تقاضائے وجود

کائنات کا ہر ذرہ اس بات کا گواہ ہے کہ تخلیق میں اپنے آپ کا اظہار کرنا خودی کی فطرت ہے کیونکہ خودی کا زورِ عمل یا خودی کی قوت تخلیق کائنات کے ہر ذرہ میں پوشیدہ ہے۔

؎ وا نمودن خویش را خوئے خودیست
خفتہ در ہر ذرّہ نیروئے خودیست

آج انشقاق جوہر سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ کائنات کے ہر ذرہ میں کتنی قوت چھپی ہوئی ہے۔

ارتقاء تخلیق کے کئی اور لوازمات میں سے ایک ہے

اگر پوچھا جائے کہ کائنات خدا کے قول کن سے فی الفور کیوں پیدا نہ ہوگئی اور کیوں اس کی بجائے ایک طویل ارتقائی عمل سے وجود میں آرہی ہے؟ تو اقبال اس سوال کا جواب یہ دیتا ہے کہ یہ خودی کی فطرت کا ایک تقاضا ہے کہ اس کی تخلیق ہمیشہ ایک ایسے ارتقائی عمل کی صورت اختیار کرتی ہے جس پر ایک مدت صرف آتی ہو۔

؎ چو فطرت مے تراشد پیکرے را
تماش مے کند در روزگارے

دراصل تدریجی تکمیل یا تدریجی ارتقاء ہی نہیں بلکہ عمل تخلیق کے اور بہت سے لوازمات ہیں جو خودی کی فطرت سے پیدا ہوتے ہیں مثلاً تخلیق کا پہلے ایک ذہنی یا شعوری حالت میں موجود ہونا اور بعد میں ایک عزم سے یا قول کن سے شروع ہونا، کسی محبوب یا مقصود کی محبت اور جستجو کی شکل اختیار کرنا، مقصود یا محبوب کے غلط اور ناقص متبادلات یا اقبال کے الفاظ میں پیکر اغیار کا ظہور اور ان کا ترک یا استیصال، وحدت خالق سے کثرت کا ظہور، زمان و مکان کا ظہور، عناصر تخلیق کے اندر جذب یا کشش کا ظہور، خوب و ناخوب، نیک و بد اور حق و باطل کے امتیاز کا ظہور، خودی کی صفاتِ جلال و جمال کی آشکارائی وغیرہ۔ تخلیق خدا کی ہو یا انسان کی اس کے لوازمات میں کوئی فرق نہیں آتا یہی سبب ہے کہ اقبال ہمیں بتاتا ہے کہ جو شخص آفرینش کائنات کے اسرار و رموز معلوم کرنا چاہے اسے اپنے آپ پر نگاہ ڈالنی چاہئے خدا واحد ہے اور مخفی ہے لیکن اپنی تخلیق کی وجہ سے کثیر بھی ہے اور آشکار بھی ہے، ضروری ہے کہ کثرت اور آشکارائی کی طرح خدا اور انسان کی تخلیق کے اور

لوازمات بھی مشترک ہوں اور انسان کی تخلیق خدا کی تخلیق کی طرف راہ نمائی کرتی ہو۔

اسرار ازل جوئی برخود نظرے وا کن
یکتائی و بسیاری ، پنہائی و پیدائی

اس مضمون کو سمجھانے کے لئے اقبال نے تصویر اور مصور کا ایک مکالمہ لکھا ہے۔ تصویر اپنے مصور کو دیکھنا چاہتی ہے تو مصور کچھ گفتگو کے بعد اسے کہتا ہے:

مرے دیدار کی ہے ایک یہی شرط کہ تو پنہاں نہ ہو اپنی نظر سے

ظاہر ہے کہ یہاں مصور خدا سے اور تصویر انسان سے استعارہ ہے۔ قرآن حکیم میں ہے ﴿صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾ (اس نے تمہاری تصویریں بنائیں اور تمہاری تصویریں عمدہ بنائیں) اقبال کا یہ نظریہ کہ اگر انسان اپنے آپ پر نگاہ ڈالے تو وہ خدا اور کائنات کے اسرار و رموز کو سمجھ سکتا ہے، دراصل قرآن حکیم ہی سے ماخوذ ہے جس کا ارشاد ہے: ﴿وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ﴾ (اور خدا کی ہستی اور صفات کے نشانات تمہاری اپنی جانوں میں موجود ہیں کیا تم نہیں دیکھتے) اسی لئے کہا گیا ہے: مَن عرف نفسه فقد عرف ربّه (جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

ایک خط کی تخلیق کا عمل

جب کوئی شخص ایک خط لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے دل میں کہتا ہے کہ اس مضمون کا لکھا ہوا ایک خط سپرد ڈاک ہو جائے۔ اس کا یہی عزم اس کے خط کے لئے اس کا قولِ کن ہے اس قول کے وقت اس کے خط کا ایک ایک لفظ اس کے شعور کے اندر موجود ہوتا ہے اور وہ خط کی اسی ذہنی یا شعوری صورت کو ہی خارجی طور پر ظہور پذیر کرنے کے لئے قول کن سے خطاب کرتا ہے۔ تاہم جب تک خط اس کے ذہن میں ہی ہوتا ہے، عملی طور پر یہ واضح نہیں ہوتا کہ اس کے الفاظ درحقیقت کیا ہیں۔ قول کن کے بعد تخلیق کی صورت میں زمان و مکان کے اندر خط کا بیرونی ظہور فوری نہیں ہوتا بلکہ تدریجی تکمیل یا تدریجی ارتقاء کے ایک عمل کی صورت اختیار کرتا ہے جب تک خط اس کے شعور میں ہوتا ہے اس وقت تک اگرچہ خط کے وہ الفاظ جن کا ارادہ وہ کر چکا ہوتا ہے اس کے سامنے نہیں آتے تاہم اس کے شعور میں موجود ہوتے ہیں اور پھر قول کن

سے اس کے شعور میں وہ الفاظ ہی وجود میں نہیں آتے جو درحقیقت اس کے مقصد سے مطابقت رکھتے ہیں اور لہٰذا درست اور زیبا اور اچھے ہوتے ہیں بلکہ وہ تمام الفاظ بھی جو اس کے مقصد سے نزدیک یا دور کی مطابقت کا کوئی امکان رکھ سکتے ہیں وجود میں آتے ہیں لیکن مقصود الفاظ کو غیر مقصود الفاظ سے ممیّز کرنے کا موقع اس وقت آتا ہے جب وہ خط لکھنے لگتا ہے کیونکہ اس وقت وہ ان الفاظ کو جو اس کے مقصد سے درحقیقت مطابقت نہیں رکھتے عملی طور پر جان لیتا ہے؛ لہٰذا یا تو لکھ کر کاٹ دیتا ہے یا بغیر لکھنے کے اپنے ذہن میں منسوخ کر دیتا ہے کیونکہ وہ اس کے مقصد کے اعتبار سے غلط اور ناخوب اور برے ہوتے ہیں۔ ترک و اختیار اور تنسیخ اور تثبیت کے اس عمل سے وہ درحقیقت اس صحیح مطلوب اور مقصود خط کی جستجو کرتا ہے جس کو اس نے قول کن کہا تھا اور جو اس کے شعور میں شروع سے ہی موجود ہو گیا تھا۔ اس طرح سے خط کی تخلیق میں لکھنے والے کی تمام صفاتِ جلال و جمال اپنا اظہار پاتی ہیں اگر درست الفاظ کی ترتیب اور تنظیم میں لکھنے والے کی صفاتِ جمال کام کرتی ہیں تو غلط الفاظ کی تردید اور تنسیخ میں اس کی صفاتِ جلال بروئے کار آتی ہیں۔ الغرض اس کا خط لکھنا کسی مقصود یا مطلوب کی ایسی جستجو کی صورت اختیار کرتا ہے جس کے ذریعے سے وہ اپنے آپ کا اظہار کرتا ہے اور اسی بنا پر وہ تخلیق یا آفریدن کا ایک عمل ہوتا ہے جس پر اقبال کی یہ تعریف صادق آتی ہے:

آفریدن جستجوئے دلبرے وا نمودن خویش را بر دیگرے

پھر جب تک خط اس کے ذہن میں ہوتا ہے خط زمان و مکان کی دنیا میں نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ بتایا جا سکتا ہے کہ خط کے مقصد کے اعتبار سے کون سے الفاظ درست ہیں اور کون سے نادرست، کون سے زیبا ہیں اور کون سے نازیبا اور کون سے اچھے ہیں اور کون سے برے، لیکن جونہی کہ وہ خط لکھنے لگتا ہے خط کا مضمون ایک ابتداء سے ایک انتہا کی طرف حرکت کرنے یا بتدریج ارتقا کرنے یا تکمیل پانے لگتا ہے اور ایسا کرتے ہوئے کاغذ پر کچھ فاصلہ طے کرتا ہے اور کچھ وقت صرف کرتا ہے اس طرح خط کی تخلیق سے حرکت اور خط کے زمان و مکان وجود میں آتے ہیں پھر خط لکھنے والا اپنے مقصد سے جو کشش رکھتا ہے وہ خط کے تمام الفاظ کے اندر سرایت کر جاتی ہے اور ان کی باہمی کشش کی صورت اختیار کرتی ہے ان کو ایک دوسرے سے مربوط کرتی ہے اور ان کے اندر ایک

خاص ترتیب اور تنظیم اور تسلسل پیدا کرتی جاتی ہے گویا خط جب خارج میں تخلیق کی صورت اختیار کرتا ہے تو کسی مطلوب یا مقصود کی محبت اور جستجو، مقصود کے غلط اور ناقص متبادلات، حرکت، تدریجی ارتقا، خط کے زمان و مکان، الفاظ کی باہمی کشش، درست و نادرست اور خوب و ناخوب کا امتیاز اور لکھنے والے کی صفاتِ جلال و جمال کا اظہار خط کی تخلیق کے لوازمات کے طور پر نمودار ہوتے ہیں۔

کائنات کی تخلیق کا عمل

کائنات کی تخلیق کی صورت میں بھی تخلیق کے یہی لوازمات اظہار پاتے ہیں۔ خدا کے قول کن کے وقت کائنات اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ خدا کے شعور میں موجود ہوگئی تھی۔ کائنات کی اس ذہنی یا شعوری حالت کو ہی خدا نے کن کا حکم دیا تھا۔ کائنات کی ایسی حالت کو ہی قرآن حکیم نے لوح محفوظ یا امُّ الکتاب کہا ہے تاہم تخلیق کی صورت میں کائنات کا خارجی ظہور فی الفور نہیں ہوا بلکہ اس نے تدریجی ارتقا کے ایک عمل کی صورت اختیار کی ہے اور یہ عمل عرصہ دراز سے جاری ہے اور جب تک نوع انسانی اپنی تکمیل کی انتہا کو نہیں پہنچ جاتی برابر جاری رہے گا۔ تخلیق حسن کی جانب خودی کے ارادہ کی حرکت کا نام ہے۔ حرکت تخلیق کی اصل ہے جس کے بغیر تخلیق ممکن ہی نہیں یہی وجہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز کی بنیاد حرکت ہے اور پوری کائنات متحرک ہے:۔

فریب نظر ہے سکون و ثبات تڑپتا ہے ہر ذرہ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود کہ ہر لحظہ تازہ ہے شانِ وجود

خودی یا زندگی کا راز اگر کوئی ہے تو یہی ہے کہ وہ اپنے مقصود کی طرف اڑنے یعنی نہایت سرعت کے ساتھ حرکت کرنے کا ایک ذوق ہے۔

سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی

جب تک کائنات فقط خدا کے شعور میں تھی وہ زمان و مکان میں نہیں تھی لیکن جب اس نے خارج میں تخلیق کی صورت اختیار کی اور اس کی حرکت وجود میں آئی تو اس حرکت کے ساتھ ہی زمان و مکان بھی وجود میں آ گئے کیونکہ حرکت کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز حرکت کر رہی ہے وہ ایک ابتدا سے ایک انتہا کی طرف آگے بڑھ رہی ہے اور لہٰذا ایسا کرتے ہوئے کچھ وقت صرف کر رہی ہے اور کچھ فاصلہ طے کر رہی ہے یعنی اس کی حرکت زمان و مکان میں ہے۔ پھر تخلیق کائنات کی

ابتداء کے ساتھ ہی خوب و ناخوب اور زشت و زیبا اور حق و باطل کا امتیاز بھی نمودار ہو گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ خودی کی فطرت اس قسم کی ہے کہ وہ حسن کو ضد حسن سے ممیّز کرتی ہے اور جب حسن کے کسی تصور سے محبت کرتی ہے تو اس کی ضد سے بیزار ہوتی ہے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب سے قرب تلاش کیا جائے اور بیزاری کا تقاضا یہ ہے کہ محبت کی خاطر مرجع بیزاری کو دور کیا جائے اور برباد کیا جائے چونکہ خودی سراسر محبت ہے اس کی تمام صفات فقط اس کی محبت کی خدمت اور اعانت کے لئے اور محبت کے مقاصد کی تحصیل اور تکمیل کے لئے اظہار پاتی ہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ خودی کی جملہ صفات اس کی مرکزی صفت محبت کے تقاضے یا شوؤن یا کوائف ہیں اور ان صفات کی شکل میں خود محبت ہی اپنی مختلف حالتوں اور موقعوں کا اظہار کرتی ہے۔

خدا کی تخلیق میں صفاتِ جمال وجلال کی کارفرمائی

تاہم کائناتی خودی کی بعض صفات ایسی ہیں کہ وہ براہ راست اور بلاواسطہ محبت کی خدمت اور اعانت کرتی ہیں۔ مثلاً ربّ، حافظ، حفیظ، وکیل، رحمٰن، رحیم، مؤمن، مہیمن، غفّار، وہّاب، رزاق، باسط، رافع، رقیب، معز، فتّاح وغیرہ ایسی صفات کو صفات جمال کہا جاتا ہے اور بعض صفات ایسی ہیں کہ وہ بالواسطہ یعنی محبت کے راستہ کی رکاوٹوں کو دور کر کے محبت کی خدمت اور اعانت کرتی ہیں مثلاً قہار، مذل، منتقم، مانع، ضارّ وغیرہ ایسی صفات کو صفاتِ جلال کہا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خودی کی فطرت اس قسم کی ہے کہ اگر اس کی صفات جمال اپنے اظہار کے لئے کسی ایسے تصور حسن کا تقاضا کرتی ہیں جس کی تحصیل اور تکمیل کے لئے وہ اپنی تخلیقی اور تربیتی کارروائی کرے تو اس کی صفات جلال اپنے اظہار کے لئے ایسے ضد حسن تصورات کا تقاضا کرتی ہیں جنہیں وہ اپنے آپ کا مخالف اور غیر سمجھے اور اپنے تصور حسن کی تخلیق اور تکمیل کی خاطر اپنے راستہ سے ہٹائے اور برباد کرے۔ لہٰذا وہ حسن کے ساتھ ضد حسن بھی پیدا کرتی ہے اور ضد حسن سے اس کی بیزاری محبت حسن کے تابع رہتی ہے۔ کائنات کی تخلیق کے اندر قدم قدم پر جدوجہد اور کش مکش اور پیکار کا باعث یہی حقیقت ہے۔ اقبال اس حقیقت کا ذکر اس طرح سے کرتا ہے:

ساز داز خود پیکر اغیار را تا فزاید لذت پیکار را
مے شود از بہر اغراض عمل عامل و معمول و اسباب و علل

انسان کی تخلیق میں صفات جلال و جمال کا عمل

اگر ہم اپنے آپ پر غور کریں تو یہ حقیقت اور واضح ہو جاتی ہے جب ہم کسی کام کو انجام دینے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے بہت سے امکانات ہمارے ذہن میں آتے ہیں لیکن جب ہم فی الواقع وہ کام کرنے لگتے ہیں تو ہم صرف ایک امکان کو جو ہمارے مقصود سے درحقیقت مطابقت رکھتا ہے خوب اور حق اور زیبا سمجھ کر چن لیتے ہیں اور باقی تمام امکانات کو جو دراصل خوب اور ناخوب اور حق اور باطل اور زشت اور زیبا کا ممزوج یا مرکب ہوتے ہیں ناخوب اور باطل اور زشت سمجھ کر رد کر دیتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے مقصود سے پوری پوری مطابقت نہیں رکھتے جو امکان حق اور خوب اور زیبا ہوتا ہے وہ صرف ایک ہی ہوتا ہے لیکن باطل اور ناخوب اور زشت امکانات جو حق و باطل کی شرکت سے بنتے ہیں بہت سے ہوتے ہیں۔

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول؛

عمل ارتقاء میں تخریب اور تبذیر کی حکمت

خدا کی تخلیق کی صورت میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ خدا کا کسی امکان کو سوچنا اس کو پیدا کر دینا ہے۔ خدا پہلے اپنی پسندیدہ تخلیق کے تمام امکانات کو عمل میں لاتا ہے اور پھر اس ایک امکان کو چن لیتا ہے جو تخلیق کی صورت اختیار کرنے کے بعد یعنی عملی طور پر اس مقصد کے مطابق اور لہٰذا خوب اور حق دار زیبا ثابت ہوتا ہے اور باقی امکانات کو یا تو صفحۂ ہستی سے بالکل مٹا دیتا ہے یا نظر انداز کر دیتا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر وہ جس حالت کو پہنچ جاتے ہیں اسی پر قائم رہتے ہیں اور مزید ترقی نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات کے ارتقاء کے دوران مادی حیاتیاتی اور انسانی سطح ارتقاء پر ایسی مخلوقات بھی وجود میں آتی رہتی ہیں جو خدا کے نصب العین یعنی انسانیت کاملہ کی تخلیق سے براہ راست کوئی تعلق نہ رکھتی تھیں اور فقط تخلیق کے اصل مرکزی سلسلہ کی ضمنی یا اتفاقی پیداوار تھیں اور یہی وجہ ہے کہ خودی ایسی مخلوقات کو یا تو مٹا دیتی رہی یا ایک ہی حالت میں موجود رہنے کے لئے چھوڑ دیتی رہی۔ مثلاً خودی نے لاکھوں نظام ہائے شمسی پیدا کئے لیکن بظاہر

صرف ایک نظام شمسی اس کے مقصد کے مطابق تھا یعنی وہ جس کے ایک زمین نامی سیارہ میں زندگی نمودار ہوکر نشوونما پا رہی ہے اس نے لاکھوں گلشنوں کو پیدا کیا ہوگا لیکن اس کا مقصود صرف چند خوبصورت پھول تھے جن کی اقسام نباتاتی عمل ارتقاء میں باقی رہ گئی ہیں۔ اس نے قدرت میں سینکڑوں ناخوشگوار آوازیں پیدا کی ہوں گی۔ تب جا کر اسے چند خوش گلو پرندوں کے دل آویز نغمے میسر آئے ہیں' اس نے ہزاروں انبیاء علیہم السلام پیدا کئے لیکن صرف حضرت محمد ﷺ کی تعلیم ہی کو تعلیم نبوت کے کمال پر پہنچایا اور موثر حالت میں باقی رکھا۔ اس طرح سے یہ بات اس کی فطرت میں ہے کہ وہ اقبال کے الفاظ میں گویا اپنے آپ کو فریب دے دے کر اپنے مقصود کو حاصل کرتی ہے۔ بعض لوگ اسے قدرت کا قہر یا اسراف سمجھتے ہیں۔ لیکن درحقیقت خودی کا یہ کام اس کی فطرت کے عین مطابق ہے اگر خودی ایسا نہ کرے تو وہ خودی نہ ہو۔ خودی جو چیز پیدا کرنا چاہتی ہے وہ فی الفور پیدا نہیں کرتی بلکہ قدرت اور اختیار کے باوجود اپنے آپ پر لازم آتی ہے کہ پہلے بہت سے ناکام تجربات کرتی اور نامکمل تخلیقات کا خون کرتی رہے لیکن آخر کار اس کی تخلیق اس کمال کو پہنچتی ہے جو اس کا مقصود ہوتا ہے۔ اس ظاہری قہر اور اسراف کے بغیر جمال معنوی کی تخلیق اور تکمیل ممکن نہیں ہوتی۔ خودی کی صفات کے مطابق حسن کی تخلیق اور تکمیل کے لئے غیر حسن کی تخلیق اور تباہی ضروری ہے۔ علامہ اقبال اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خود فریبی ہائے او عین حیات — ہمچو گل از خوں وضو عینِ حیات
بہر یک گل خونِ صد گلشن کند — از پئے یک نغمہ صد شیون کند
شعلہ ہائے او صد ابراہیمؑ سوخت — تا چراغ یک محمدؐ بر فروخت
عذرِ ایں اسراف و ایں سنگیں دلی — خلق و تکمیلِ جمالِ معنوی
صد نیستاں کاشت تا یک نالہ رست — صد چمن خون کرد تا یک لالہ رست
نقشہا آورد و افگند و شکست — تا بہ لوح زندگی نقشِ تو بست
نالہ ہا در کشتِ جاں کاریدہ است — تا نوائے یک اذاں بالیدہ است
مدتے پیکار با احرار داشت — با خداوندانِ باطل کار داشت
تخم ایماں آخر اندر گل نشاند — باز بانت کلمۂ توحید خواند

ترک واختیار تخلیق کے لوازمات ہیں

ترک اور اختیار کے اسی عمل کی وجہ سے جو تخلیق کو لازم ہے اور جس کا دارومدار محبت پر ہے اقبال تخلیق کو کسی محبوب کی جستجو سے تعبیر کرتا ہے ۔

آفریدن جستجوئے دلبرے وانمودن خویش را بر دیگرے

تخلیق وتکمیل کائنات کی غرض سے ترک واختیار کے اس عمل کا ذکر قرآن حکیم میں ہے:

يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ (39:13)

''خدا اپنی تخلیق میں سے جس چیز کو چاہتا ہے مٹا تا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب یا لوح محفوظ ہے۔ جس میں یہ بات طے شدہ موجود ہے کہ کیا چیز مٹائی جائے گی اور کیا چیز باقی رکھی جائے گی''

وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (68:28)

''اور تمہارا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پھر اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے جس چیز کو چاہتا ہے مزید ترقی دے کر درجہ کمال پر پہنچانے کے لئے چن لیتا ہے لیکن ایسا چناؤ ان لوگوں کے بس میں نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو معاذ اللہ انسان خدا کا شریک ٹھہرتا لیکن خدا پاک ہے اور بلند ہے ہر اس چیز سے جسے یہ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں''

قبول حق کے لئے ترک باطل ضروری ہے

خودی جب اپنے نصب العین کی آرزو کی عملی تشفی اور تسکین کرنے لگتی ہے تو اسے معاً معلوم ہونے لگ جاتا ہے کہ کون کون سی چیزیں ہیں جو اس کے نصب العین کی نقیض ہیں اور جن کی آرزو وہ نہیں کر رہی اور جن کا وجود اس کی آرزو کے راستہ میں رکاوٹ ہے۔ باطل باہر سے نہیں آتا بلکہ حق کے ساتھ ہی اس کے نقیض کے طور پر خود بخود نمودار ہو جاتا ہے یہ ایسا ہی ہے کہ جب ہم ایک سمت میں آگے بڑھ رہے ہوں تو ضروری ہوتا ہے کہ ہم اس کی مخالف سمت کو پیچھے چھوڑتے جائیں حرکت کی فطرت میں ہے کہ اس سے بیک وقت دو سمتیں نمودار ہوتی ہیں ایک موافق اور

دوسری مخالف۔ تخلیق بھی ایک قسم کی حرکت ہے اور اس سے بھی دو سمتیں پیدا ہوتی ہیں ایک موافق اور دوسری مخالف' خودی کے لئے نصب العین کی سمت حق ہے اور نصب العین کے خلاف کی سمت باطل ہے۔ جب خودی نصب العین کی طرف ایک قدم آگے بڑھتی ہے تو غیر نصب العین کو (جو اس کے نقیض کے طور پر پاس ہی موجود ہوتا ہے) ایک قدم پیچھے چھوڑ جاتی ہے حق کے قبول کو باطل کا ترک لازم آتا ہے اور جس حد تک ہم حق کو قبول نہیں کرتے ہم باطل کو قبول کرتے ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم حق کو قبول کریں اور باطل کو معاً ترک نہ کریں یا باطل کو قبول کریں اور حق کو معاً ترک نہ کریں۔ روشنی کا تصور تاریکی کے بغیر سچ کا جھوٹ کے بغیر انصاف کا ظلم کے بغیر اور حق کا باطل کے بغیر ممکن نہیں۔ جو شخص سچ انصاف اور حق سے محبت کرتا ہے ضروری ہے کہ وہ جھوٹ' ظلم اور باطل سے نفرت کرے۔ اسی طرح سے سچائی' انصاف اور حق کی اعانت جھوٹ' ظلم اور باطل کی مخالفت کے بغیر ممکن نہیں۔ خودی کے تخلیقی عمل کے ہر قدم پر جس طرح سے حق یا حسن ایک نئی شان سے جلوہ گر ہوتا ہے اسی طرح سے باطل بھی ایک نئی صورت میں اس کے سامنے آتا ہے اور حق یا حسن کی اس شان سے ہمکنار ہونے کے لئے باطل کی اس نئی صورت کو فنا کرنا خودی کے لئے ضروری ہوتا ہے ابلیس باطل کی قوتوں پر مسلط ہے۔ خودی کے لئے ضروری ہے کہ ان قوتوں سے کسی حالت میں بھی صلح نہ کرے بلکہ ان کے بالمقابل اپنی جلالی صفات کا مظاہرہ کرے اور ان کے ساتھ پوری قوت سے نبرد آزما ہو کر ان کو راستہ سے ہٹا دے ورنہ اس کی ترقی اور تکمیل خطرہ میں پڑ جائے گی:

؎ بزم یا دیو است آدم را وبال
رزم یا دیو است آدم را کمال

جلال کی تائید کے بغیر جمال بے اثر اور بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ وہ غیر محفوظ اور غیر مکمل سمجھا جاتا ہے۔ جمال کا کمال یہی ہے کہ وہ جلال کے ساتھ ہو ورنہ وہ ناقص ہے اور نقص حسن کا نقیض ہے ؎

نہ ہو جلال تو حسن و جمال بے تاثیر نرا نفس ہے اگر نغمہ ہو نہ آتشناک
مجھے سزا کے لئے بھی نہیں قبول وہ آگ کہ جس کا شعلہ نہ ہو تند و سرکش و بیباک

تخریب تعمیر کے لئے ناگزیر ہے

چونکہ کائنات کی تخلیق میں خدا کی صفاتِ جلال و جمال دونوں اپنا کام کر رہی ہیں کائنات میں ربوبیت یا تعمیر اور استیصال یا تخریب بھی دونوں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو کارفرما ہیں۔ تخریب تعمیر کی اغراض کے ماتحت اور اس کو کامیابی کی منزل تک پہنچانے کے لئے عمل میں آتی ہے؛ لہٰذا کائنات کی تعمیر کی طرح تخریب بھی خدا کی محبت اور رحمت اور ربوبیت کی مظہر ہے اور خدا کی صفاتِ جلالی بھی ایسی ہی قابل ستائش ہیں جیسی کہ صفات جمالی'' قرآن حکیم میں ایک مقام پر ارشاد ہے کہ جو قوم خدا کے نشانات کو جھٹلایا کرتی تھی۔ خدا نے اسے تباہ کر دیا اور جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دیا اور پھر اس کے بعد آیت کا تتمہ ہے کہ سب ستائش اللہ کے لئے ہے جو اہل جہاں کا رب ہے اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس قوم کی ہلاکت بھی خدا کی محبت اور رحمت اور ربوبیت کا مظہر تھی اور یہ وہ صفات ہیں جن کی وجہ سے خدا ستائش کے لائق ہے اس لئے کہ اگر یہ قوم تباہ نہ ہوئی تو تخلیق حسن کے راستہ میں بدستور ایک رکاوٹ بنی رہتی اور پھر کائنات کی ربوبیت اپنے کمال کو نہ پہنچ سکتی۔

قُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (45:06)

''اور ان لوگوں کی جڑ کٹ گئی جنہوں نے (خدا کے نشانات کو جھٹلانے کا) ظلم کیا اور سب ستائش اللہ کے لئے ہے جو اہل جہان کا رب ہے۔''

ایک باغبان اپنے باغ کے حسن کو قائم رکھنے کے لئے ضروری سمجھتا ہے کہ درختوں کے نیچے اور کیاریوں میں سے ایسے پودوں کو اکھاڑ کر باہر پھینک دے جو اس کے مقصد کے مطابق نہیں اور غیر ضروری ہونے کے علاوہ ان پودوں اور درختوں کی کھاد اور نمی کو جذب کر لیتے ہیں جن پر باغ کے حسن کا دارومدار ہے اس کیلئے درانتی کو استعمال کرنا اتنا ہی ضروری ہوتا ہے جتنا کہ پودوں کو کھاد اور پانی مہیا کرنا۔ اس کے تخریبی کام کے بغیر اس کا تعمیری کام بارآور نہیں ہوسکتا لہٰذا اس کا تخریبی کام بھی قابل ستائش ہے اس نکتہ کو سمجھانے کے لئے مولانا روم ایک درزی کی مثال دیتے ہیں۔

جب ایک درزی کوٹ تیار کرنے لگتا ہے تو کپڑے کو بہت سے ٹکڑوں میں کاٹ دیتا ہے اور پھر بعض ٹکڑوں کو چن لیتا ہے اور بعض کو بیکار سمجھ کر رد کر دیتا ہے اسے بجا طور پر کوئی نہیں پوچھتا کہ تم نے کپڑے کے ایک حصے کو کیوں ضائع کر دیا ہے۔

عمل تخلیق میں حق کے ساتھ باطل، نیکی کے ساتھ بدی

اور زیبائی کے ساتھ زشتی کا ظہور ضروری ہے

الغرض خودی کی فطرت کی بنا پر جس میں جمالی اور جلالی دونوں قسم کی صفات موجود ہیں یہ ضروری ہے کہ جب خودی ایک حسین اور کامل نصب العینی مخلوق کو بتدریج وجود میں لانے کا عمل شروع کرے تو اس عمل کی ابتدا کے ساتھ ہی حسن کے بالمقابل قبح، زیبائی کے بالمقابل زشتی، حق کے بالمقابل باطل اور نیکی کے بالمقابل بدی فوراً موجود ہو جائیں جب تک تخلیق کا آغاز نہ ہو اس وقت تک عملی طور پر معلوم نہیں ہو سکتا کہ کون سی چیز تخلیق کے مطابق ہے اور کون سی غیر مطابق لہٰذا حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، حسن کیا ہے اور قبح کیا ہے، زیبائی کیا ہے اور زشتی کیا ہے، نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے، خیر کیا ہے اور شر کیا ہے، جب تک شاخ نہ پھوٹتی نہ گل ہوتا ہے اور نہ خار اور جب پھوٹتی ہے تو دونوں نکل آتے ہیں۔ اسی طرح سے جب تک خودی تخلیق کا آغاز نہیں کرتی زشت اور نکو دونوں کا وجود نہیں ہوتا لیکن جب آغاز کرتی ہے تو دونوں خود بخود بیک وقت نمودار ہو جاتے ہیں..... ورنہ تخلیق جاری ہی نہیں رہ سکتی کیونکہ تخلیق ترک زشت اور اختیار نکو کا ہی نام ہے:

چہ گویم نکتہ زشت و نکو چیست　　زبان لرزد کہ معنی ہیچ دار است
برون از شاخ بینی خار و گل را　　درون او نہ گل پیدا نہ خار است

(جاری ہے)

اشراط الساعة

قال النبی ﷺ: اِنَّ السَّاعَةَ لَاتَقُوْمُ حَتّٰی تَکُوْنَ عَشَرَ آیَاتٍ :
.....الدُّخَان.....وَ الدَّجَّال.....وَ الدَّابَّة .....وَ طُلُوْع الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَثَلَاث خُسُوْفٍ..... خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ .....وَ خَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ .....وَخَسْفٌ بِجَزِیْرَةِ الْعَرَبِ.....وَ نُزُوْل عِیْسٰی علیہ السلام .....وَ فَتْح یَاجُوْجَ وَ مَاجُوْجَ .....وَ نَار تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدْنٍ تَسُوْقُ النَّاسَ اِلَی الْمَحْشَرِ تَبِیْتُ مَعَهُمْ حَیْثُ بَاتُوْا وَ تَقِیْلُ مَعَهُمْ حَیْثُ قَالُوْا

(مسند احمد عن حذیفة رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ دس نشانیاں ظاہر نہ ہوجائیں۔ دھواں، دجال، دابۃ الارض، مغرب سے سورج کا نکلنا، تین جگہ لوگوں کا زمین میں دھنس جانا: ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں اور تیسرا جزیرہ عرب میں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، یاجوج ماجوج کا نکلنا اور اقعر عدن سے یک آگ نکلے گی جو لوگوں کو محشر کی طرف ہانکے گی جہاں لوگ رات کو ٹھہریں گے وہاں وہ ٹھہرے اور جہاں دن کے وقت آرام کریں گے وہاں وہ بھی رک جائے گی۔

علامات قیامت میں سے الدخان اور الدجال کا ذکر فروری اور مئی 2011ء کے حکمت بالغہ میں آچکا ہے۔ اب تیسری علامت کا ذکر اس شمارے میں کیا جارہا ہے

(ادارہ)

الدّابّة

انجینئر مختارفاروقی

انسانیت کے محسن اور رحمت للعالمین حضرت محمد ﷺ نے ایک فرمانِ حق ترجمان میں قربِ قیامت کی دس علامات کا ذکر فرمایا ہے جس سے اہلِ حق اس دور کو پہچان سکیں گے۔ان میں سے 'الدخان' کا ذکر فروری 11ء میں اور 'الدجال' کا ذکر مئی 11ء میں آ چکا ہے۔اب 'الدابہ' کا ذکر کیا جار ہا ہے۔ان سطور سے اس کے سوا کچھ مقصود نہیں کہ ہم مسلمان خوابِ غفلت سے بیدار ہوں وقت کے تقاضوں کو پہچانیں اور جو کوئی سعید روحیں توبہ کرنے پر آمادہ ہیں مگر صحیح وقت کے انتخاب کے معاملے میں لیت ولعل سے کام لیتے ہوئے آج اور کل کا انتظار کر رہی ہیں............وہ آگے بڑھیں اور جلد توبہ پر آمادہ ہوں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچی توبہ کی توفیق ارزانی فرمائے اور آج کے فتنوں سے محفوظ فرمائے۔آمین

الدّابہّ......لغوی بحث

دبّ یدبّ (باب ضرب) رینگنا۔ہاتھوں یا پیروں کے بل چلنا (مصباح اللغات)

الدبّ اور الدبیب، المشی الخفیف (ہلکا چلنا) یہ حیوانات اور حشرات میں زیادہ استعمال ہوتا ہے۔شراب اور مصائب وغیرہ ایسی چیزیں جن کی حرکت کا ادراک قوتِ حاسہ نہیں کر سکتی ان کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ہر حیوان کے لیے اس کو استعمال کیا جاتا ہے اگرچہ عرف میں گھوڑے کے ساتھ خاص ہو گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَ اللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِنْ مَّآءٍ﴾۔ ﴿و بَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَابَّۃ ﴾۔﴿وَ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ

رِزْقُهَا﴾۔﴿وَ مَا مِنْ دَابَّةٍ فِیْ الْاَرْضِ وَ لَا طَائِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ﴾۔﴿وَ لَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ﴾۔.....(مفردات الفاظ القرآن)

الدابہ کے معنی سواری کے بھی ہیں۔جس سے آج کی جدید سواریاں بھی تبعاً مراد لی جاسکتی ہیں۔

الدابہ کے بارے میں آیات قرآنی

سورۂ نور میں ارشاد ہے:

وَ اللّٰهُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّةٍ مِنْ مَّاءٍ فَمِنْهُمْ مَن یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ وَ مِنْهُمْ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی اَرْبَعٍ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ O (45:24)

''اور اللہ ہی نے ہر چلنے پھرنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔تو ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں۔اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

سورۂ ہود میں ارشاد ہے:

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا (6:11)

''اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے''

ان آیات میں دابۃ کی ان اقسام کا ذکر ہے جو ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے تھے اور آپ ﷺ کے زمانے میں دنیا میں پائے جاتے تھے ان کی شناخت عام انسان بھی کر سکتے تھے ان کے طور طریقے اوصاف اور رہن سہن کے انداز سے بھی یہ لوگ واقف تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں (دوابّ) کو پورے روئے ارضی پر پھیلا دیا ہے اور مختلف علاقوں کی خصوصیات کے حوالے سے ان علاقوں میں خاص خاص جانور بھی پیدا فرمائے ہیں۔مثلاً صحراؤں کے اندر 'اُونٹ' پیدا کیا ہے جو صحراء کے موسموں کو خوب برداشت کر سکتا ہے اور اس ماحول میں زندہ رہ سکتا ہے۔اسی لئے لوگ اُسے صحرائی جہاز (SHIP OF THE DESERT) کہتے ہیں۔

سرد علاقوں کے خاص جانور ہیں ان کے بال ان کی کھال اور خوراک بھی صحرائی جانوروں سے بہت مختلف ہے۔قرآن پاک میں ایک ایسے جانور کا ذکر ہے جو نزول قرآن کے بعد ظاہر ہوگا اور اس کے خواص بھی اشارتاً بتائے ہیں:

وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ (82:27)

''اور جب ان کے بارے میں (عذاب کا) وعدہ پورا ہوگا تو ہم ان کے لئے زمین میں سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے بیان کردے گا۔اس لیے کہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے''

یہ جانور (دابّۃ) امکانی حد تک آپ ﷺ کے زمانے سے قیامت سے پہلے تک ظاہر ہونا ہے۔آج کا یہ دورِ قرب قیامت کا دور ہے اور قیامت کی نشانیاں ظاہر ہوتی جارہی ہیں۔ایک حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی شہادت والی اور ساتھ والی انگلی کو اکٹھے دکھا کر فرمایا کہ

بُعثتُ انا و الساعة هٰكذا (مسلم عن انس ؓ) ''میں اور قیامت اس طرح اکٹھے ہیں''

ایک اور فرمانِ حق ترجمان میں فرمایا ہے کہ

میں آخری پیغمبر ﷺ ہوں اور تم آخری اُمت ہو (اس کے بعد قیامت ہی ہے)

گویا آج کا دور قرب قیامت ہی کا دور پُر فتن ہے جس میں طرح طرح کہ فتنے سر اُٹھا رہے ہیں اور اشراط الساعہ یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتی جارہی ہیں حتیٰ کہ جب سب نشانیاں ظاہر ہوجائیں گی تو بلا شک وشبہ قیامت کا ظہور ہوجائے گا۔لہٰذا ـــــــ قوی امکان ہے کہ یہ 'دابۃ الارض' ظاہر ہو چکا ہو۔قرآن مجید کے بیان میں تکلّم کا لفظ ہے جس کے معنی باتیں کرنا بھی ہے اور زخمی کرنا بھی ہے۔

الدّابّۃ کے بارے میں احادیث مبارکہ

ہمارے پیغمبر نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے بھی 'الدابۃ' کے بارے میں بہت سی معلومات دی ہیں اور متعدد احادیث مبارکہ میں ان کا تذکرہ ہے بعض احادیث طویل بھی ہیں یہ سب اس لئے کہ آپ کی دی ہوئی معلومات کے بعد آپ کی اُمت قیامت کی اس اہم علامت

'الدابۃ' کو بآسانی پہچان سکے۔

☆ تخرج الدابة و معها خاتم سليمان (الجامع الصغیر)

''دابہ نکلے گا اور اس کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی''

☆ تخرج الدابة فتسم الناس على خراطيمهم ثم يعمرون فيكم حتى يشترى الرجل الدابة فيقال ممن اشتريته فتقول اشتريته من الرجل المخطم (الجامع الصغیر عن ابی امامة رضی اللہ عنہ)

''دابۃ نکلے گا تو لوگ اس دابہ کے ناک پر نشان لگائیں گے پھر یہ دابہ لوگوں کے پاس رہے گا۔ یہاں تک کہ ایک آدمی الدابہ خرید کر لائے گا تو اس سے کوئی (حیرت سے) پوچھے گا کہ تو نے یہ دابہ کہاں سے خریدا ہے؟ وہ کہے گا نشان لگوا کر آنے والے آدمی سے''

☆ عن عبدالله بن عمرو قال حفظت من رسول الله ﷺ حديثا لم انسه بعد سمعت رسول الله ﷺ يقول انّ اوّل الايات خروجًا طلوع الشمس من مغربها و خروج الدابة على الناس ضحى و ايتهما ما كانت قبل صاحبتها فالاخرى على اثرها قريبا (مسلم)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث یاد کی ہے جسے میں اب تک بھولا نہیں ہوں۔ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کی ابتدائی علامات میں سے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور 'دابہ' کا علیٰ رؤس الاشہاد لوگوں سامنے نکلنا ہے۔ الدابہ کئی مرحلوں میں سامنے آئے گا پہلے ایک ریلہ آئے گا اور جلد ہی اس کے بعد دوسرا ریلہ ظاہر ہوتا رہے گا''

☆ عن النزال بن سبرة قال خطبَنا على بن ابى طالب رضی اللہ عنہ على المنبر فحمد الله و اثنى عليه ثم قال ايها الناس سلونى قبل ان تفقدونى ثلاث مرات فقام اليه الاصبغ بن نباتة فقال مَنِ الدَّجَّالُ يا امير المؤمنين؟ فقال يا اصبغ الدجال..... يخرج من يهودية اصبهان على حمار ابتر ما بين اذنى حماره اربعون ذراعا، ما بين حافره الى الحافرالاخر مسيرة اربع ليال۔ تطوى له الارض

منهلا منهلا۔ يتناول السماء بيده۔ امامه جبل من دخان وخلفه جبل اخر۔ مكتوب بين عين كافر يقرأه كل مؤمن۔ مطموس العين اليمنى۔ مع جنة و نار فناره جنة وجنته نار.....الا و بعد ذلك خروج الدآبّة من الصفاء، معها عصا موسى و خاتم سليمان بن داود، يراها اهل المشرق و المغرب تنادى اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَايُوْقِنُوْنَ فتنكت بالعصا على جبهة كل منافق فتكتب على وجهه هذا كافر حقا و تختم بخاتم على جبهة كل مؤمن فتكتب على وجهه هٰذا مؤمن حقًا ان المؤمن ليقول يا كافر الحمدلله الذى لم يجعلنى مثلك وحتى ان الكافر ليقول يامؤمن ليتنى اليوم مثلك فافوز فوزا عظيمًا.....

''نزال بن سبرہ کہتے ہیں کہ حضرت علی ؓ نے منبر پر تقریر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور تین مرتبہ فرمایا: لوگو! مجھ سے جو پوچھنا ہے پوچھ لو اس سے قبل کہ تم مجھے نہ پاؤ۔ اصبغ بن نباتہ کھڑے ہوئے اور پوچھا اے امیر المؤمنین! دجال کون ہے؟۔ حضرت علی ؓ نے فرمایا:.....وہ اصفہان کے یہودیوں میں سے ایک ابتر حمار (مشینی سواری جس کی نسل نہ چلے گی) پر سوار ہوکر نکلے گا جس کے دونوں کانوں کے درمیان (چوڑائی کے رُخ دائیں سے بائیں) چالیس ہاتھ کا فاصلہ ہے اور اس کے ایک ٹاپ (LANDING) سے دوسری ٹاپ کے درمیان چار راتوں کے عرصے جتنا فاصلہ ہے۔ کرۂ ارض پر وہ کئی ٹاپوں کے بعد وہیں واپس آجائے گا۔ (کسی سفر پر) اس کے سامنے دھویں کا پہاڑ (کسی طاقتور بم سے ہونے والی تباہی کا منظر) ہوگا اور اس کے پیچھے ایک دوسرا پہاڑ (دھماکے کے نتیجے میں تباہی کا منظر) ہوگا۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (سامنے کی نمایاں جگہ پر) کافر لکھا ہوگا (جیسا کہ دوسری روایت میں ہے ک ف ر لکھا ہوگا اور یہ اسرائیل کی فضائیہ کا نشان ہے) جسے ہر مؤمن پڑھ سکے گا۔ اس کی داہنی آنکھ پچکی ہوئی ہے۔ اس کے پاس جنت اور دوزخ ہوگی اس کی جنت دراصل دوزخ ہے اور اس کی دوزخ دراصل جنت ہے جو کوئی اس کی دوزخ میں مبتلا ہو جائے اسے چاہیے کہ سورۃ الکہف کے آخر سے پڑھے اس طرح اس پر اس کی آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کو امت محمد ﷺ کے ایک آدمی پر تسلط دے گا وہ اس کو قتل کرے گا پھر اس کو اللہ کے حکم سے زندہ

کر دے گا پھر کہے گا کہ میں تمہارا بڑا رب ہوں پھر کہے کہ گا میری طرف آ ؤ میری طرف آ ؤ میں نے ہی بنایا ہے اور درست کیا ہے اندازہ ٹھہرایا ہے اور راہ دکھایا ہے۔ حضرت علی ؓ نے فرمایا کہ اللہ کا دشمن جھوٹ بولے گا۔ اس کے اکثر پیروکار دس کے بدلہ بارہ لینے والے سود خور اور حرامی لوگ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کو حضرت عیسیٰ ؑ کے ہاتھوں سہ پہر کے وقت ملک شام میں افیق گھاٹی پر قتل کر دے گا۔ ــــــــــ سنو! اس کے بعد صفا پہاڑ سے دابہ کا نکلنا ہے۔ اس کے پاس حضرت موسیٰ ؑ کا عصا ہوگا اور دوسرے ہاتھ میں حضرت سلیمان بن داؤد ؑ کی انگوٹھی ہوگی، مشرق و مغرب کے لوگ اس کو دیکھیں گے۔ وہ آواز دے گا ''لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے'' وہ حضرت موسیٰ ؑ کے عصا کے ساتھ ہر منافق کی پیشانی پر نشان لگا دے گا اور اس کے چہرے پر لکھ دے گا کہ یہ پکا کافر ہے اور انگوٹھی کے ساتھ ہر مؤمن کی پیشانی پر مہر لگائے گا کہ یہ پکا مؤمن ہے۔ مومن کہے کہ اے کافر اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تجھ جیسا نہیں بنایا اور کافر کہے کہ اے مومن کاش میں آج تجھ جیسا ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کر لیتا۔.....اس کے بعد الطامہ الطامہ (بڑی مصیبت) ہے۔ پھر حضرت علیؓ نے منبر سے اترنے کے لیے اپنا پاؤں رکھا تو ان کے سامنے لوگوں کی گردنیں اٹھیں ہر ایک کہتا تھا کہ اے امیر المومنین! الطامہ الطامہ کے بارے میں ہمیں بتائیں۔ اس پر آپؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے حبیب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا اس کے بعد کسی نفس کو اس کا ایمان لانا فائدہ نہیں دے گا۔ سنو! اس کے بعد مجھ سے مزید سوال نہ کرنا کیونکہ میرے حبیب نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ میں تمہیں اس کے بارے میں نہ بتاؤں''

الدّآبة

ہر دور میں علم کی ایک سطح ہوتی ہے۔ آسمانی علوم (وحی و احادیث) کی معلومات و اشارات تو اپنی جگہ حتمی ہوتے ہیں مگر انسان جنہوں نے اپنے ذہن کے مطابق ان کا 'تصور' (CONCEPT) اپنے ذہن میں بنانا ہوتا ہے ان کے ذہن کا سانچہ اپنے ماحول کے علوم کی سطح اور ظروف و احوال سے بالاتر نہیں ہوسکتا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آج سے چار صدیاں پہلے الدابہ سے متعلق احادیث سے جو نقشہ کھینچا ہے وہ مظاہر حق سے یہاں درج کیا جا رہا ہے:

''دابۃ الارض سے مراد عجیب الخلقت اور نادر شکل کا جانور ہے جو مسجد حرام میں کوہِ صفا و مروہ کے درمیان سے برآمد ہوگا اور جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ان الفاظ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْاَرْضِ کے ذریعے کیا گیا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ اس عجیب الخلقت جانور کی شکل یہ ہوگی کہ چہرہ انسانوں کی طرح، پاؤں اونٹ کی طرح، گردن گھوڑے کی طرح، سرین ہرن کی طرح، سینگ بارہ سنگے کی طرح اور ہاتھ بندر کی طرح ہوں گے۔ اس کے نمودار ہونے کی صورت یہ ہوگی کہ کوہِ صفا جو کعبہ کی مشرقی جانب واقع ہے' یکا یک زلزلہ سے پھٹ جائے گا اور اس میں سے یہ جانور نکلے گا اس کے ایک ہاتھ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا اور دوسرے ہاتھ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری ہوگی، تمام شہروں اور علاقوں میں اتنی تیزی کے ساتھ دورہ کرے گا کہ کوئی فرد بشر اس کا پیچھا نہ کر سکے گا اور دوڑ میں اس کا مقابلہ کر کے اس سے چھٹکارا نہ پا سکے گا۔ جہاں جائے گا ہر شخص پر نشان لگاتا جائے گا جو صاحب ایمان ہوگا اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے چھوئے گا اور اس کی پیشانی پر 'مؤمن' لکھ دے گا اور جو کافر ہوگا اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری سے سیاہ مہر لگا دے گا اور اس کے منہ پر کافر لکھ دے گا۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ دابۃ الارض تین مرتبہ نکلے گا ایک دفعہ تو حضرت امام مہدی کے زمانہ میں پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اور پھر آخری دفعہ آفتاب کے مغرب کی جانب سے طلوع ہونے کے بعد'' (مظاہر حق)

روایات کی تطبیق اور عصر حاضر کا ماحول

آج کا دور یقیناً قرب قیامت کا دور ہے اور قیامت کی نشانیاں کچھ ظاہر ہو رہی ہیں کچھ ظاہر ہو چکی ہے ہیں اور بعض ابھی پردہ غیب میں ہیں۔ مثلاً حدیث جبریل علیہ السلام میں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں وارد ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبریل نے انسانی صورت میں

آ کر رسول اللہ ﷺ سے مختلف سوال کیے جبکہ صحابہ کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ان سوالوں میں ایک سوال یہ تھا کہ ''آپ مجھے قیامت کے بارے میں بتایئے'' جس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''مسئول کا علم سائل سے زیادہ نہیں'' پھر سوال کیا کہ..... فَأَخْبِرْنِیْ عَنْ اَمَارَاتِهَا (اس قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتا دیجیے) جس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ

أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا وَ أَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِی الْبُنْيَانِ

یعنی اولاد (بالخصوص بیٹیاں) نافرمان ہو جائیں گی اور والدین پر ایسے حکم چلائیں گی جیسے والدین ان کے غلام ہیں۔اور تو دیکھے گا کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن رہنے والے تنگدست لوگ (جن کے پاس یک لخت بہت پیسہ آ جائے گا) اونچی اونچی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں گے (یہ معاملہ آج امارات، مکہ، مدینہ، کویت وغیرہ میں آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے جہاں تیل کی دولت کی ریل پیل سے گزشتہ دو عشروں سے یہ صورت جاری ہے)۔

الدابہ کی روایات میں جو الدابہ کا ذکر ہے اور قرآن مجید میں یہ لفظ آیا ہے۔قرآن مجید میں دابّة فی الارض یعنی زمین میں یا روئے زمین پر۔جبکہ اصطلاحاً دابۃ الارض کے الفاظ زیادہ مستعمل ہو گئے جس میں دابہ کی اضافت زمین کی طرف کر دی گئی جس سے انسانی ذہن پھر زمینی مخلوق اور قدرتی جانوروں کی طرف آ جاتا ہے۔قرآن پاک کے الفاظ 'دابۃ فی الارض' کی روشنی میں احادیث کی تطبیق ہمارے ناقص ذہن کے مطابق کچھ یوں بنتی ہے کہ ہمارے نزدیک دابہ کے معنی سواری کے بھی ہیں اور آج کی مشینی سواریاں ہی خروج دابہ کے ذیل میں آتی ہیں (اور یہ حرف آخر نہیں ہے اس پر اہل علم اپنی آرا سے نوازیں گے تو انہیں بھی انہیں صفحات میں جگہ دینے کی کوشش کریں گے)

جامع الصغیر کی حدیث جو حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس کی تفاصیل یہ ہیں:

1۔دابہ ظاہر ہوگا۔ 2۔لوگ اس 'دابہ' کو خریدیں گے، بیچیں گے۔ 3۔خریدنے والا اس دابہ کے ناک (سامنے کی نمایاں جگہ) پر اس کو نشان زدہ کریں گے (گویا گاڑی کی نمبر پلیٹ کی طرف اشارہ ہے)۔ 4۔لوگ اس دابہ کو گھروں پر رکھیں گے، فخر کریں گے۔5۔آپس میں لوگ پوچھیں گے کہ کہاں سے (کتنے میں) خریدا۔ 6۔جواب دینے والا جواب دے گا کہ ایک آدمی اس کو نشان زدہ کروا کر لاتو میں نے اس سے یہ 'دابہ' خرید لیا (گویا سیکنڈ ہینڈ گاڑی خریدی ہے)۔7۔اس 'دابہ' کے ساتھ

ایک سرکاری مہر شدہ (خاتم سلیمان علیہ السلام) تصدیق ہوگی۔ 8۔اس دابہ کے مالک کے پاس ایک عصائے موسیٰ علیہ السلام یعنی روٹ پرمٹ.....ڈرائیونگ لائسنس کے طرز کے جواز کے کاغذات ہوں گے۔

دوسری روایات میں 'الدابہ' سے متعلق مزید معلومات بھی ہیں۔الدابہ کی کئی اقسام ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں وارد ہے(45:24)اس کی روشنی میں دو پہیوں پر چلنے والی گاڑیاں، چار پہیوں پر چلنے والی گاڑیاں، رینگنے والی گاڑیاں (جیسے فوجی ٹینک اور بعض کرینیں اور دیگر مشینری) اڑنے والی سواریاں (جیسے چھوٹے بڑے جہاز، ہیلی کاپٹر وغیرہ)، پانی میں چلنے والی سواریاں (سمندری جہاز، آبدوزیں وغیرہ)۔

☆ اسی طرح گاڑیوں میں ٹرک، ٹرالر، حکومتی گاڑیاں، ایمبولینس، پولیس کی چیکنگ والی گاڑیاں اور ٹریفک پولیس کی گاڑیاں وغیرہ وغیرہ۔

☆ اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ یہ 'سواریاں' یعنی الدابہ صفا پہاڑ کے نیچے سے نکلے گا آج سے دو عشرے قبل تک اس کا تصور ایک خیالی اور ماورائی تصور ہی ہوسکتا تھا۔حرم مکی کی حالیہ توسیع کے دوران جو زیر زمین سرنگوں اور سڑکوں کا وسیع نظام قائم کیا گیا ہے اس سے ایک سرنگ صفا پہاڑی کے قریب سے ہی نکلتی ہے اور اس سے ٹریفک جاری ہے۔

☆ دجال' کے ظہور کے وقت اس کے پاس جو سواری ہوگی اس کی وضاحت رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب فرمائی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارکہ ہیں 'حمار اُبتر' ایسا گدھا (سواری) جس کی نسل نہیں چلے گی۔ ہمارے نزدیک اس سے مراد جدید مشینی سواری (ہوائی جہاز وغیرہ) ہے جو فیکٹریوں میں بنتے ہیں عام حیوانات کی طرح نسل کشی سے نہیں بڑھتے۔(واللہ اعلم)

☆ قرآن پاک میں اس 'دابہ' کے بارے میں ہے 'تُكَلِّمُهُمْ' .....تکلیم یا کلام کے معنی باتیں کرنا یا بولنا بھی ہے اور زخمی کرنا بھی ہے.....اس سے مراد ہے کہ یہ 'الدابہ' لوگوں کو حادثات کے ذریعے زخمی بھی کرے گا اور اس 'الدابہ' میں نصب شدہ آلات سے آڈیو ویڈیو سے استفادہ بھی ہو سکے گا پھر فوجی گاڑیوں یا اہم گاڑیوں میں نصب شدہ وائرلیس سسٹم کے ذریعے لوگوں سے باتیں بھی ہوسکتی ہیں جیسے پولیس کی گاڑیاں ایمبولنس وغیرہ وغیرہ۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کی مشینی سواری کے بارے میں فرمایا کہ اس کے اوپر سننے کے

آلات نصب ہوں گے جن سے وہ سنے گا اور ان (کانوں) کے درمیان فاصلہ چالیس ہاتھ (80فٹ یا اس کے لگ بھگ) ہوگا۔ آج کل یہ سواری ہوائی جہاز ہی ہوسکتا جس کے پروں پر مواصلاتی رابطے کے آلات نصب ہوتے ہیں۔

الحاصل ہماری ناقص رائے میں الـدابّـہ کے الفاظ جو اشراط الساعہ والی حدیث مبارکہ میں وارد ہوئے ہیں ان سے آج اس قرب قیامت کے دور میں مشینی سواریاں ہی مراد ہوسکتی ہیں، 'الدجال' بھی ایسی ہی کسی سواری پر آئے گا اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تشریف آوری بھی ایسی ہی کسی جدید سواری پر ہوگی جس کی طرف احادیث میں واضح اشارے ہیں اور چودہ صدیاں قبل آج کے دور کی ترقی اور سواریوں کی تعبیر (زبان کی محدودیت کے باوجود) اس سے زیادہ ممکن ہی نہیں تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے۔ واللہ اعلم

پس نوشت

اوپر درج تفاصیل اہل سنت کے تصورات کے مطابق ہیں۔ اہل تشیع کے تصورات میں 'الدابہ' جو الفاظ وارد ہیں اس سے ان کی مراد _____ بالفعل ایسا جانور ہوگا جس کا دھڑ شیر کا ہوگا اور چہرہ انسانی شکل کا ہوگا۔ اس تصور کو عملی شکل میں ان کے اہل علم نے تصوراتی شکل دے کر سامنے بھی رکھ دیا ہے۔ حبیب بینک لمیٹڈ کے سرکاری نشان (INSIGNIA) میں ایک شیر بنا ہوا ہے اور اس کا چہرہ انسانی شکل کا ہے اس پر ایک تلوار بنی ہوئی ہے اور اس پر مشہور عربی مصرعہ ''لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ وَ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَّارِ'' بھی درج ہے۔

یاد رہے ان کے ہاں بعض روایات میں اس 'الدابہ' پر انسانی چہرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہوگا۔ حبیب بینک کے نشان پر درج مصرعہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے۔ حبیب بینک اور 'الدابہ' کا آپس میں کیا تعلق، یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ابھی تک اس کی کوئی وضاحت سامنے نہیں آسکی۔ اہل تشیع کے ہاں یہ 'الدابہ' نکلے گا اور 'مومن' اور کافر کو نشان کرتا جائے گا یعنی اس طرح مخلصین اہل تشیع اور غیر اہل تشیع میں واضح فرق قائم ہوجائے گا۔ واللہ اعلم

صہیونیت کی قتل انبیاء علیہم السلام کی روش اور انکارِ ختم نبوت

(حصہ IV)

جھوٹے مدعیان نبوت کا مطلب

وہ خود، ان کے حمایتی، ان کے داعی، مبلغ، حاشیہ نشین، پیروکار، سرپرست قوتوں کی فراہم کردہ فکری بنیادیں اور تفصیلی دلائل یا باطل اور جھوٹ کی بنیاد پر کھڑا کیا گیا طرزِ استدلال ـــــ یعنی حکمت ابلیس۔

انجینئر مختار فاروقی

صہیونیت کا ہتھیار حکمت ابلیس

زمانہ قدیم سے ہر دور میں اپنے وقت کے پیغمبر علیہ السلام کو تسلیم کرنے والے ہی مسلمان کہلاتے تھے اور انکار کرنے والے کافر۔ اسی طرح حضرت محمد ﷺ جو خاتم النّبیین ہیں، آپ کی تشریف آوری کے بعد مسلمان صرف آپ کو برحق ماننے والے ہی ہیں جبکہ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام (حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک نبیوں) کو ماننے والے حضرت محمد ﷺ کے انکار کی وجہ سے اب نئے نام کے تحت یہود اور نصاریٰ یا مسیحی کہلاتے ہیں۔

آج مسلمانوں کے ہاتھ میں قرآن مجید ہے اور مسلمانوں کا طرزِ استدلال اور فکری مخزن قرآن مجید ہی ہے اور احادیث رسولؐ اس قرآن کی تشریحات اور وضاحتیں ہیں جو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کے علاوہ آئی ہوئی وحی (وحی خفی) کی روشنی میں فرمائیں یا از خود حکمت نبویؐ کی بنیاد پر آپ ﷺ کی زبان حق ترجمان سے آپ کے سچے پیروکار یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچیں۔ یہ دانش نورانی ہے اور حکمت قرآنی ہے جو مسلمانوں کے ہاتھ میں فکری ہتھیار ہے۔

بعینہٖ اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کا انکار کرنیوالوں، ان کو قتل کرنیوالوں، ان کی تعلیمات کو نہ ماننے والوں کا طرزِ استدلال یا فکری تانا بانا (INTELLECTUAL FABRIC) وہ

حکمت ابلیس ہے جو ابلیس کے ذہن رسا نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کر کے راندۂ درگاہ حق ہونے پر سوچ لی تھی کہ تکبر کر کے خود کو آدم علیہ السلام سے بہتر ہونے کی دلیل کے طور پر گھڑ لی تھی۔

آج خدا بیزار، خدا ناشناس اور وحی، رسالت، آسمانی ہدایت اور قرآن مجید کا انکار کرنیوالوں کے پاس فکری مواد اور طرزِ استدلال ــــــــ وہی ابلیسی نقطہ نظر ہے جس کو ہم حق ابلاغ کی ادائیگی کیلئے حکمت قرآن کے مقابلے میں حکمت ابلیس کے الفاظ سے تعبیر کر رہے ہیں۔

حکمت ابلیس کیا ہے؟ اس کے خدوخال کیا ہیں؟ اس کے شعبے اور ان کی تفصیلات سے واقفیت کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟ آج کی نشست میں ہماری گفتگو کا موضوع یہی ہے۔

تمہید

اصل موضوع کی طرف بڑھنے سے پہلے قارئین کرام کو قرآن پاک کی ایک آیت (45:07) کے حوالے سے حکمت ابلیس کی نوعیت کو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس حکمت کی صحیح نظری بنیادیں اور مقاصد معین ہو جائیں تو اس کے بعد اس خاکے میں رنگ بھرنا آسان ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اس کا ایک مقصد تخلیق معین فرمایا ہے اس مقصد کے بنیادی تصورات اور تقاضے فطرت انسانی میں الہامی طور پر رکھ دیے ہیں۔ نیکی بدی کی تمیز کے ساتھ ساتھ نیکی سے محبت، سکون کا حصول اور اطمینانِ قلب جیسی مثبت چیزیں وابستہ کر دی ہیں جبکہ بدی کی پہچان کے ساتھ ساتھ بدی سے بے اطمینانی، بے سکونی GUILTY CONSCIENCE ہونے کا احساس اور مقام انسانیت سے عدم مناسبت جیسے احساسات منسلک کر دیے ہیں۔

اس پر مزید اللہ تعالیٰ نے رہنمائی کے لئے انسانوں میں سے ہی نہایت اعلیٰ کردار اور پاکیزہ صفات کے حامل انسانوں یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی طرف سے ہدایت اور رہنمائی دے کر بھیجا کہ وہ خود بھی اس پر عمل کر کے نمونہ بن کر دکھائیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں اور جدوجہد کریں اور حالات سازگار ہوں تو اس دین کو غالب بھی کر دیں۔ ان برگزیدہ شخصیات کا ذاتی کردار اور معاشرتی زندگی اتنی پاکیزہ اور بے داغ تھی کہ معاشرہ اس کا گواہ تھا اور لوگ اُن کی خوبیوں کے معترف تھے۔ ان حالات میں ان شخصیات نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے نمائندے

نبی اور رسول کے طور پر پیش کیا اور لوگوں سے اس کی تصدیق کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ اس کی اطاعت کا بھی تقاضا کیا۔ معاشرے کی طرف سے اکثر شدید مخالفت ہوئی تاہم یہ شخصیات ثابت قدم رہیں اپنے موقف پر ڈٹی رہیں ان کے ہاتھ پر بارہا معجزات بھی ظاہر ہوئے اور کئی بار حق کا بول بالا ہو گیا۔ نبی تو قتل بھی ہو گئے مگر 'رسول' ہمیشہ غالب رہے۔

قرآن پاک میں اس پس منظر میں حضرت محمد ﷺ کے مخالفین کے رویّہ کے ضمن میں مکہ کے چند نمایاں انسانوں اور صاحب حیثیت لوگوں کے ایمان نہ لانے کے تذکرے کے ساتھ اُن کے ایک خاص قسم کے رویّے کا ذکر آتا ہے اور وہ یہ ہے

اَلَّذِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ یَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا (45:07)

''جو اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈھتے ہیں''

پیغمبروں علیہم السلام جیسی نادر روزگار شخصیات کے افکار کا انکار اور ان کی لائی ہوئی ہدایت سے پہلوتہی ـــــ بذات خود ایک جرم ہے اور ایک 'مریض' اور 'روگی' شخصیت کی نفسیات کا اشارہ دیتی ہے۔ مگر اس 'روگ' یا بیماری کا اگلا درجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دوسروں کو بھی راہِ حق سے روکتے ہیں اور رکاوٹ بنتے ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اخلاقی لحاظ سے مریض نفسیات کے حامل لوگ دوسروں کو کیسے روکتے ہوں گے۔ اس کا طریقہ اولاد پر جبر، ملازمین اور غلاموں پر تشدّد اور اپنے ماتحتوں اور کمزوروں پر دھونس اور ان میں سے کسی کی سرکشی اور بغاوت پر قتل ایسے جرائم ہی ہو سکتے ہیں۔

اسی تسلسل میں دوسری قسم کا رویہ جس کا تذکرہ ہے کہ وہ دوسروں کو اپنا ہم نوا بنانے کے لئے یَبۡغُوۡنَہَا عِوَجا ـــــ پیغمبر کی ذات اقدس کو عیب لگاتے ہیں اور ان کی تعلیمات جو اللہ کا دین ہیں ان میں 'خامیاں' تلاش کرتے ہیں جبکہ نہ پیغمبر کی ذات میں کوئی عیب اور اخلاقی و معاشرتی گراوٹ کا ثبوت ہے نہ ان کے لائے ہوئے دین میں کوئی جھول ہے اور نہ ہی اخلاقی سطح پر کوئی افراط و تفریط ہے۔ لہٰذا یہ بات حتمی ہے کہ وہ پیغمبر کی ذات اور اسلام میں فرضی، خود ساختہ اور من گھڑت عیوب چسپاں کرتے رہتے ہیں اور اس کا چرچا (PROPAGANDA) کرتے رہتے ہیں۔ اس کا ذکر بھی قرآن پاک میں ہے:

لَا تَسۡمَعُوۡا لِہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَ الۡغَوۡا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تَغۡلِبُوۡنَ (26:41)

''اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو اور (جب پڑھنے لگیں تو) شور مچایا کرو تا کہ تم غالب رہو''

پیغمبر کی تعلیمات کی طرف صدق دل سے بڑھنے اور قبول کرنے والوں کا راستہ روکنا اور دوسروں کو پیغمبر کا ساتھ نہ دینے پر آمادہ کرنے کے لئے من گھڑت قصے، فرضی کہانیاں، بے بنیاد عیب جوئی اور الزام تراشیوں جیسے ابلیسی گُر استعمال کرنا ہی ان لوگوں کا وطیرہ تھا۔

یہ سارے خانہ ساز، خود ساختہ، ننگ انسانیت اور اخلاق سوز افسانے اور مکالمے (DIALOGUE) جہاں بیٹھ کر ترتیب دیے جاتے تھے، جہاں ان کے بارے میں مشورہ ہوتا تھا اور جہاں اس کے لئے دلائل تراشے جاتے تھے ـــــــ یہ سارا کام ابلیسی کام اور یہ مجلسیں، بیٹھکیں، اوطاق اور ڈیرے سب کے سب 'ابلیس کی ورکشاپ' اور 'ابلیسی سٹوڈیو' ہی کہے جا سکتے ہیں۔ اس ساری محنت کے نتیجے میں جو فکری مواد فراہم ہوتا ہے وہی ہے ـــــــ حکمت ابلیس۔

صہیونیت پہلے قتل انبیاء کرام علیہم السلام کی روش پر صدیوں عمل پیرا رہی اور ابلیس کے ایجنڈے کو آگے بڑھاتی رہی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ستانے اور رومیوں کے ذریعے صلیب پر چڑھانے کی ساری منصوبہ بندی صہیونیت کی ابلیسی سوچ ہی کی آئینہ دار ہے۔ پھر چھ صدیوں کا فترۃ وحی (انبیاء کرام علیہم السلام کے آنے میں وقفہ) ہو گیا اس دوران ہند، ایران، یونان وغیرہ میں حکمت ابلیس عروج پر پہنچ گئی۔ یہود نے ان مراکز میں رابطے کا کام کیا اور ان سے استفادہ بھی خوب خوب کیا۔ 70ء میں یہود اپنے دورِ انتشار کے ذریعے دنیا بھر میں پھیل گئے تو اُنہوں نے اس سے ابلیسیت کی سوچ کو عالمی سوچ بنانے کا موقع سمجھا اور اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے اس عرصے میں وہ ایسے بنیادی اقدام کر ڈالے جو علاقائی سطح کی فکر میں ممکن ہی نہ تھے۔

حکمت ابلیس کا عروج

حکمت ابلیس کا یہ دورِ عروج ہے اور اللہ تعالیٰ نے سرزمین عرب (جو عالمی فکری مراکز سے دور، علم سے بھی بے بہرہ خطہ زمین تھا جہاں اہل کتاب کے مقابلے میں 'اُمّی' ہی آباد تھے) میں اپنے آخری، کامل اور اکمل ترین نبی اور رسول حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرما دیا جو اپنی خداداد حکمت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ کی بنا پر ابلیس کے تمام عالمی ہتھکنڈوں اور منصوبہ بندیوں کے علی الرغم کل تیئیس سالوں میں تین براعظموں پر محیط ایک عظیم آسمانی بادشاہت یعنی خلافت راشدہ قائم کرنے

میں کامیاب ہوگئے جس کی نظیر عام انسانی فکر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

خلافت راشدہ اور صحابہ کرام ﷺ کی شکل میں حزب اللہ کی تشکیل سے صہیونیت کی ابلیسی سوچ کو زبردست دھچکا لگا اور ایسا زبردست نقصان ہوا کہ وہ صدیوں نہیں سنبھل سکے۔ یہ ساری ذہنی کاوشیں، منصوبہ بندیاں، روابط اور دوسروں کو ہم خیال بنانے کے گُر اور فکری استدلال ہی ــــــــ وہ حکمت ابلیس تھی جو صہیونیت کا اصل ہتھیار تھا۔ مگر یہی سب کچھ آسمانی وحی کے سامنے ریت کا گھروندا اور بیت العنکبوت ثابت ہوا۔

حکمت ابلیس..... کے مختلف اطلاقی انداز

یونانی فلاسفہ کا ملحدانہ فلسفہ، ہندو کا اخلاق دشمن مذہبی و سیاسی علمی ورثہ اور ایران کا غیر اخلاقی فلسفیانہ علمی سرمایہ ــــــــ سب حکمت ابلیس کے ہی مختلف انداز ہیں (حالیہ مغربی افکار کی گزشتہ چند صدیوں کی ساری تگ وتاز اور فلسفیانہ علمی کاوشیں بھی اسی حکمت ابلیس ہی کا شاہکار ہیں) معروضی طور پر حکمت ابلیس کے مختلف پہلو اور شعبہ جات اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے۔ یہاں صرف صہیونیت کے ضمن میں اس حکمت ابلیس کے چند نتائج فکر ــــــــ قرآن مجید کے حوالے سے پیش خدمت ہیں ــــــــ اور وہ یہ ہیں:

(1) حکمت ابلیس بے حیائی، عریانی اور فحاشی سے عبارت ہے

قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق، مسجود ملائک بننے کی تقریب تاجپوشی اور جنت میں عارضی قیام کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں انسان کو رہنے کا ایک ضابطہ دیا تھا جو ''یک نکاتی ایجنڈا'' تھا کہ ایک خاص ''شجرہ'' کے قریب نہیں جانا۔ مگر وہیں ــــــــ انسان کے ازلی دشمن، عظمت انسانی کے منکر اور حضرت انسان کو اپنے خلقی اعلیٰ اخلاقی تقاضوں سے سرکشی وسرتابی پر آمادہ کرنے والے دوست نما دشمن ابلیس نے اپنی 'حکمت' سے ہمارے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کو بے لباس کر دیا۔ چنانچہ قرآن پاک میں اس سارے قصہ کی تفصیل اس طرح وارد ہوئی ہے:

☆ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنٰکُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰکُمۡ

اے انسانو! ہم نے (یقیناً) تمہیں پیدا کیا اور تمہاری صورت گری فرمائی۔

☆ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

پھر نے فرشتوں (اور جنوں) کو فرمایا کہ وہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کریں (یعنی اس طرح اس کی عظمت کو تسلیم کریں کیونکہ انسان روح اور جسد کا مجموعہ یا عالم امر اور عالم خلق کا مقام اتصال ہے)

☆ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِنَ السّٰجِدِيْنَ O

سب (فرشتوں اور جنوں نے) سجدہ کیا سوائے (جنوں میں سے ایک فرد) ابلیس کے وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا (اور یوں اللہ کے حکم سے سرتابی کے ساتھ ساتھ عظمت انسانی کا بھی انکار کر دیا۔ اس نے صرف انسان کے جسد حیوانی کو دیکھا ''روح ربانی'' کی جھلک نہ پا سکا۔ (غالباً یہی وجہ ہے کہ جنوں میں وحی الٰہی کے وصول کنندہ یا RECIPIENT ہونے کی صلاحیت نہیں ہے اور جو پیغمبر علیہم السلام انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے ہیں وہی 'جنوں' کی طرف بھی پیغمبر تھے اور جو کتابیں آئیں وہی انسانوں کے ساتھ ساتھ 'جنوں' کے لئے بھی تھیں۔ واللہ اعلم)

اللہ تعالیٰ نے ایک مکالمہ کے بعد ابلیس کو راہِ حق سے دھتکارے جانے کے باوجود قیامت تک کی زندگی دے دی۔ اپنے مطالبے کے تسلیم ہو جانے کے بعد ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے آدم علیہ السلام اور اولادِ آدم سے حتی المقدور کشاکش اور فریب دینے کے عزم مصمم کا اظہار کر کے چیلنج دے دیا:

☆ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَ لَاتَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ O

(ابلیس نے کہا کہ اے اللہ جل جلالہٗ) تو نے مجھے جیسے (متوقع مقام خلافت و نیابت سے) الگ کر دیا ہے، میں بھی لازماً تیرے سیدھے راستہ پر آدم علیہ السلام و اولادِ آدم کے لئے (گھات لگا کر) بیٹھوں گا پھر ان کے سامنے سے اور پیچھے سے (گمراہی و بے حیائی کے اسباب کے ساتھ) آؤں گا اور دائیں سے اور بائیں سے بھی (اور انہیں انسان سے حیوان بناؤں گا) تو (اے اللہ) تو ان میں اکثر کو اپنا شکر گزار (یعنی رانسانیت کے مطلوبہ مقام بلند پر) نہیں پائے گا۔

☆ وَ یٰۤاٰدَمُ اسۡکُنۡ اَنۡتَ وَ زَوۡجُکَ الۡجَنَّۃَ وَ کُلَا مِنۡهَا حَیۡثُ شِئۡتُمَا وَ لَاتَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ O

اور (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے آدم (علیہ السلام) تو اور تیری زوجہ دونوں اس جنت میں رہو اور کھاؤ اس میں سے جہاں سے جو چاہو۔ سوائے ایک 'شجرہ' کے کہ دونوں اس کے قریب بھی مت جانا۔

☆ فَوَسۡوَسَ لَهُمَا الشَّیۡطٰنُ لِیُبۡدِیَ لَهُمَا مَا وٗرِیَ عَنۡهُمَا مِنۡ سَوۡاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰکُمَا رَبُّکُمَا عَنۡ هٰذِهِ الشَّجَرَۃِ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَا مَلَکَیۡنِ اَوۡ تَکُوۡنَا مِنَ الۡخٰلِدِیۡنَ O

''ابلیس نے وسوسہ پیدا کیا۔ دونوں کے لئے تا کہ کھل جائیں دونوں کے سامنے اُن کی شرمگاہیں (جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے چھپا دی تھیں) ابلیس نے کہا تمہارے رب نے تمہیں اس درخت (کے پاس جانے) سے اس لئے منع کیا ہے کہ تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ یا اس جنت میں ہمیشہ ہمیش نہ رہو۔''

☆ وَ قَاسَمَهُمَاۤ اِنِّیۡ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیۡنَ O

''اور اس (ابلیس) نے دونوں (کے سامنے) کے لئے قسم کھائی کہ وہ ان دونوں کے لئے مخلص صلاح کار ہے۔''

☆ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوۡرٍ

پس اس (ابلیس) نے دونوں کو دھوکے سے مائل کر لیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام حضرت حوا سلام علیہا اور ابلیس کو اس زمین پر اتار دیا اور بتا دیا کہ ابلیس تمہارا دشمن ہے۔ اس دنیا میں اولادِ آدم کو ایک معین زندگی گزارنا ہے ابلیس نے جو فریب اور دھوکہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا سلام علیہا کو دیا تھا بعینہٖ وہی دھوکہ اور فریب کی ابلیسی پالیسی آج تک جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہمیں اس سے خبردار کیا ہے:

☆ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَ رِیۡشًا وَ لِبَاسُ التَّقۡوٰی ذٰلِکَ خَیۡرٌ ذٰلِکَ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ O

''اے اولادِ آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس اتارا ہے تا کہ تم لباس کے ذریعے اپنی شرمگاہیں چھپاؤ اور لباس کے ذریعے خوبصورت نظر آؤ۔ تقویٰ کا (ستر اور شرمگاہوں کو خوب چھپانے والا) لباس ہی بہتر ہے۔ (ایسا) لباس اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ہے (کہ لباس پہن کر انسان اپنے جبلی تقاضوں سے عارضی طور پر غافل ہو جاتا ہے) تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

☆ يٰبَنِيْ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَا اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ O

''اے اولادِ آدم! (خبردار) شیطان تمہیں آزمائش میں ڈال کر ایسی کیفیت (SITUATION) نہ پیدا کر دے جیسی تمہارے والدین (آدم وحوا علیہما السلام) کے لئے پیدا کر کے ان کو جنت سے نکلوا دیا تھا۔ اس نے تمہارے والدین سے لباس چھین لیا تھا تا کہ وہ ایک دوسرے کے پوشیدہ حصے دیکھیں (اور یہی کچھ وہ تمہارے ساتھ آج بھی فیشن، آرٹ اور ترقی کے نام پر مختلف حیلوں بہانوں سے کرنا چاہتا ہے) وہ (ابلیس) تمہیں وہاں سے دیکھتا ہے اور اس کا قبیلہ بھی، جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ بے شک جو ایمان نہیں رکھتے ہم نے بنا دیا ہے شیطانوں کو ان کا سرپرست''

☆ وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا اٰبَآءَ نَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ O

اور (یہی ابلیسیت ہے کہ) جب وہ بے حیائی کے کام (میں شریک) ہوتے ہیں (اور کوئی انہیں اس بے حیائی پر توجہ دلاتا ہے) تو کہتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد (ANCESTORS) یہی کرتے آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ پر وہ بات کہہ رہے ہو جو تم نہیں جانتے۔

(2) حکمت ابلیس.....اللہ تعالیٰ کے انکار کا درس دیتی ہے

انسان کا علم بجا طور پر مشاہدات پر مبنی ہے مگر انسان ان مشاہدات سے اپنی عقل (INTELLECT) کے ذریعے مختلف نتائج نکالتا (DERIVE) ہے اور اُن نتائج کو بھی حتمی تسلیم کرتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان مشاہدے کے بغیر یا مشاہدے کے برعکس صرف عقلی بنیاد پر ہی کوئی ممکنہ نتیجہ تسلیم کر لیتا ہے صرف ایک عورت کی گواہی اور اعتراف پر کسی کو اپنا باپ تسلیم کر لیتا ہے اور زندگی بھر اس فیصلے کو نبھا دیتا ہے۔ یہی انسان جب ڈھٹائی پر اُتر آئے تو ہزاروں لاکھوں بااعتماد انسانوں کی گواہی کی بنیاد پر بھی اس کائنات کا ایک خالق و مالک اور ربّ ماننے کو تیار نہیں ہوتا.....یہی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی انسان کے اپنے عقلی و فطری نیز جبلی مقتضیات کا واضح اور علی رؤس الاشہاد خون کرنے کے مترادف ہے مگر انسان نہ صرف یہ کہ خود اس کا ارتکاب کرتا ہے بلکہ اسے ایک فلسفہ اور SCHOOL OF THOUGHT بنا کر دوسرے ہزاروں لاکھوں اپنے جیسے انسانوں کو بھی خلافِ عقل و فطرت روش پر ڈال دیتا ہے۔

اس انسانی روش کی ایک ہی ممکنہ صورت ہے کہ انسان 'حکمت ابلیس' پر بلاغور و فکر ایمان لے آئے اور اپنے اوپر کسی دوسری ہستی کے احکام اور ضابطے قبول کرنے کا منکر ہو جائے تا کہ .....زندگی کی شاہراہ پر لذاتِ دنیوی اور مفاداتِ دنیوی کے حصول کو ہی اپنا مطمع نظر بنائے رکھے۔ انسانی تاریخ میں مجرد خالق، فاطر اور ربّ کا ماننا لوگوں کے لئے اتنا کڑوا نہیں رہا جتنا ایسے خالق و مالک اور رب کا تصور اور اقرار ہے جو انسان کو کچھ احکام دے اور اوامر و نواہی کے ذریعے ایک خاص 'صراطِ مستقیم' پر چلانے کا اعلان کرے اور انکار و مخالفت کی صورت میں جہنم کی 'دھمکی' سنا دے اور 'خلود فی النار' کی وعید بھی۔

آزاد خیال، مادر پدر آزادی کے دلدادہ اور "فی کل وادٍ یھیمون" کے مصداق ہر گندگی میں منہ مارنے اور ہر بے راہ روی کو تھوڑا چل کر دیکھنے اور چکھنے کے عادی انسان ..... جابر، قاہر، عزیز، ذوالانتقام، معز، مذل، عادل اور یحکم ما یرید ربّ اور الٰہ کو ماننے کو کبھی تیار نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اس کا تصور ہی کر سکتے ہیں۔ وہ اسے اپنے لئے دل ہی دل میں عیاشی کے طے شدہ راستے کے اپنے فیصلے کے خلاف سمجھتے ہیں جو انہیں انفرادی و اجتماعی عدل، اخلاقی برتری اور انسانی مساوات و حریت کی اعلیٰ اقدار کے فروغ کے ذریعے انسانی فلاح و بہبود اور

WALFARE کے 'خیر کثیر' کے باوجود قابل قبول نہیں ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ______ حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے قرآن اور عدل اجتماعی کے زریں اُصولوں کی روشنی میں قائم ہونے والی خلافت راشدہ میں انسانی معاشرے کی صورت میں انسان کو جو سکھ کا سانس لینے اور اجتماعی عدل وحریت ومساوات کے وافر مواقع میسر آئے ______ اس انقلاب کے داعی اور کارکن (COMRADES) زیادہ انسان دوست، حریت پسند، انصاف پسند، خادم خلق اور محسن انسانیت تھے، یا اس کا راستہ روکنے والے ابوجہل، ابولہب عقبہ ابن ابی معیط کے علاوہ بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ کے خودغرض، مفاد پرست، زر پرست، عیاش، بے حیا، بے ضمیر، ظالم اور بے اُصول انسان نما مخلوق کے افراد۔

بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے اور اس کے خلاف تاریخ انسانی سے ایک بھی معقول گواہی پیش نہیں کی جاسکتی کہ خلافت راشدہ کا معاشرہ ہی حقوق انسانی کی عملی تفسیر بھی تھی اور انسانی فلاح و بہبود کی معراج بھی۔ جہاں عدل وانصاف، حریت فکر، آزادی رائے، آزادی تحریر وتقریر کے ساتھ ساتھ انسانی عقل وفطرت وجسم وروح کے ہر جائز مطالبے اور جسمانی وروحانی ترقی کی ہر معقول خواہش کی تکمیل کے بھرپور اور وافر مواقع تھے۔ جہاں دھونس، دھاندلی، ظلم تشدد نہیں تھا۔ جہاں انسانی تذلیل اور بے حرمتی نہیں تھی جہاں صنف نازک کو تاریخ میں پہلی مرتبہ اور آج تک کی تاریخ میں آخری مرتبہ بھرپور انسانی حقوق عملاً حاصل تھے۔

وہ خیالات، عقائد، نظریات، افکار، اعمال، اخلاق اور رویے جو اس خیر کثیر کا باعث بنے وہی انسانی فلاح و بہبود کا راستہ تھا۔ دوسری طرف اس جنت ارضی کے قیام کے مخالفین اور آپ ﷺ کے دشمن اور سابقہ نبیوں کے قاتل، انسانی حقوق کے قاتل، آزادی وحریت، عدل و انصاف اور مساوات کے دشمن ہی انسان کے دشمن اور ابلیس کے ہم خیال وہم پیالہ وہم نوالہ ہیں۔

ہمارے نزدیک ایسی انسان دشمن سوچ ______ حکمت ابلیس ہی کا شاہکار ہوسکتی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ
وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ

''بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے بوجھنے کے (گمراہ ہو رہا ہے تو) اللہ نے (بھی) اس کو گمراہ کر دیا اور ان کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اب اللہ کے سوا اس کو کون راہ پر لا سکتا ہے تو کیا تم (لوگ) نصیحت نہیں پکڑتے؟'' (23:45)

وَ قَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا یُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ O (24:45)

''اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی ہے کہ (یہیں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے اور ان کو اس کا کچھ یقینی علم نہیں' صرف ظن سے کام لیتے ہیں''

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوْا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ O (25:45)

''اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کی یہی حجت ہوتی ہے کہ اگر سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر) لاؤ''

یہ ابلیس اور حکمت ابلیس ہی ہے جو ایک معقول، RATIONAL منطقی اور با اُصول انسان کو ذاتی مفادات، خودغرضی، دنیاوی عیاشی، حیوانیت، انسانی خدائی، ظلم و جبر اور مطلق العنان حکمرانی کے ملمع شدہ نظریات کا چکمہ دے کر ازلی دشمنی کی بنا پر اس 'ابن آدم' کو قعر مذلت میں گرا دیتا ہے اور انسان سے 'انکارِ رب' اور 'انکار خدا' کا جرم سرزد کرا دیتا ہے۔

(3) حکمت ابلیس.....حیوانیت کے فروغ کا دوسرا نام ہے

سیکولرازم پر گزشتہ صفحات میں کافی بحث سامنے آ چکی ہے۔ سیکولرازم ــــــــ مذہب کی بندش سے آزاد اور خدا، آخرت کے تصوّرات سے بے نیاز افکار اور LIFESTYLE کا آئینہ دار ہے۔ جبکہ ــــــــ یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ آج سے دو صدی قبل تک کے اکثر معاشرے اپنے تاریخی ورثہ میں اللہ، آخرت، وحی پیغمبروں کا کوئی نہ کوئی تصور رکھتے تھے دنیا کا سب سے بڑا مذہب عیسائیت انہیں تصورات کا علمبردار ہے اور مذہب ہی انسان کو اخلاق سکھاتا ہے اور اعلیٰ اقدار کی تعلیم دیتا ہے۔ مذہب ہی انسان میں اخلاقی حس (MORAL

(VALUES کا اثبات کرتا ہے۔

تاریخ انسانی کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی معاشرہ مذہب، خدا پرستی، آسمانی ہدایت سے دور ہوا ـــــــــ وہ معاشرہ اخلاق سے عاری ہوگیا۔ ظلم، بے انصافی، بے راہ روی بے حیائی راگ رنگ، نسل ذات برادری کی برتری اور انسانی حاکمیت کے تصورات عام ہوگئے۔ ایسے معاشرہ کا انسان مذہب کے تصورات سے عاری ہوکر ایک ترقی یافتہ حیوان (SOPHISTICATED ANIMAL) سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

لہٰذا ـــــــــ یہ بات برملا کہی جا سکتی ہے کہ وہ طرزِ زندگی اور فلسفہ حیات جو انسانیت کو مذہب سے برگشتہ کردے اور آخرت کے انکار کے نتیجے میں مؤاخذے سے بے بہرہ بنا دے وہ معاشرہ اور اس کے افراد انسانی ـــــــــ حیوان بن جاتے ہیں۔ سیکولرازم اسی بات کا داعی ہے اور سیکولرازم کا فلسفہ حیات انسانوں کو 'حیوان' ہی دیکھنا چاہتا ہے جو بس جسمانی لذات کے حصول اور کھانے پینے کی ضروریات کی فراہمی ہی کو مطمع نظر بنالے۔ اس طرح انسان اپنی اعلیٰ تخلیق اور احسن تقویم کے مقام سے گر کر حیوان محض بن جاتا ہے۔ بقول اقبال

ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار ؎ انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ O (07-179)

''انسانوں اور جنوں کی اکثریت کا طرزِ زندگی ہی ایسا حیوانی طرز زندگی ہے جو انہیں آخرت میں جہنم کی سزا کا مستحق قرار دے رہا ہے اور ایسے لوگ اس حیوانی طرزِ زندگی میں ایسے مدہوش ہیں گویا وہ پیدا ہی حیوان ہوئے ہیں۔ ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور انکے کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوتے، یہی وہ انسان نما حیوان ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں''

مغرب میں ڈارون کے نظریہ ارتقاء.....فرائڈ کے نظریۂ جنس اور مارکس کے معاشی فلسفہ نے انسان کو بس ایک ترقی یافتہ حیوان ہی ثابت کر دیا.....اور سیکولرازم کے داعی اور مبلغین نے ان فلسفوں کی آڑ میں ــــــــ نظریۂ تعلیم میں تبدیلیاں کر دیں اور 1960ء کے عشرے سے ایسا نظام تعلیم بنا دیا جو VALUELESS اور MORALLESS معاشرہ کی بنیاد بن گیا اس نظام سے تین نسلیں پڑھ کر میدانِ عمل میں اُتر چکی ہیں اور آج کہا جا سکتا ہے کہ مغربی معاشرہ کے ہر شعبہ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگ 'انسان نما حیوان ہی ہیں' جنہیں بائبل میں GENTILES یا GOYEMS کا نام دیا گیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مذہب دشمن نظریات کی وجہ سے سیکولرازم انسان کے ذہن سے اخلاقی اقدار، خدا و آخرت کے تصورات اور وحی پیغمبر جیسی اصطلاحات کا خانہ ہی مٹا چکا ہے اور اب تمام مغربی معاشرے اسی سطح پر زندگی گزار رہے ہیں۔ مذہب سے دوری اور انسان کا اپنی حقیقت سے غافل ہو جانا ہی حکمت ابلیس کا شاہکار ہے۔

گویا .....حکمت ابلیس .....انسان اور اولاد آدم سے ازلی دشمنی کے سبب اسے حیوان بنا کر.....اللہ تعالیٰ .....وحی .....روح.....آخرت جنت دوزخ کے تصورات سے بہت دور لے جا چکی ہے۔ مغربی معاشرے آج حیوانی معاشروں کی زندہ تصویر ہیں۔ مسلم معاشرے بھی مغرب کی پیروی میں اس ابلیسی راہ پر گامزن ہیں۔

اس حکمت ابلیس کی پہچان اور اس ابلیس کی انسان دشمنی کی شناخت ہی اصل انسانیت اور آدمیّت ہے اور آج ــــــــ انسان کو اپنی تخلیقی برتری کی بازیافت اور اس کو برقرار رکھنے کے لئے وحی اور آسمانی ہدایت کی ہی اشد ضرورت ہے۔

آئندہ ان شاء اللہ ''اسلام کے صدرِ اوّل کے بعد صہیونیت اور
حکمت ابلیس کے فروغ اور اس کے منطقی انجام'' پر گفتگو ہوگی

پاکستان کا دشمن کون؟ دوست کون؟
یہ آئینہ دیکھئے!

عبدالرشید ارشد

عملی انسانی زندگی میں دوست اور دشمن کا اہم مقام ہے دونوں ہی عملی زندگی میں رنگ بھرتے ہیں۔ سیانوں نے دوست اور دشمن کے متعلق اپنی زندگیوں کے تلخ وشیریں تجربات کا نچوڑ بعد میں آنے والوں کے لئے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے: مثلاً یہ کہ ''عقلمندی یہ ہے کہ اپنے دشمن کی پہچان کی جائے'' یا یہ بھی کہ'' بے وقوف دوست کی نسبت عقلمند دشمن بہتر ہے'' دوستی اور دشمنی کی پرکھ ایک فرد کے لئے، ایک برادری قبیلے کے لئے یا ایک قوم و ملک کے لئے یکساں اہمیت کی حامل ہے۔ پہچان کی خامی کا نقصان نا قابل برداشت ہوتا ہے اور یہ محض تھیوری نہیں عملی زندگی میں روزمرہ کے چھوٹے بڑے وقوعے اس پر شاہد ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک نظریاتی اسلامی ریاست کے طور پر 1947ء میں معرضِ وجود میں آئی تھی۔ یہ آزادی نہ برطانیہ کو پسند تھی اور نہ ہی بھارت ماتا کے نیتاؤں کو..... اور 1948ء میں دنیا کے نقشے پر ابھرنے والی دوسری نظریاتی ریاست اسرائیل کو بھی اس کا شدید دُکھ تھا کہ یہود کی اسلام دشمنی ساڑھے چودہ سو سال سے ہے اور کسی بھی لمحہ اُن کے سینوں میں سلگتی آگ مدھم نہ ہوئی اور اُنہوں نے اس دشمنی کو چھپایا بھی نہیں بلکہ موقع بہ موقع اس کا اظہار کھلے الفاظ میں ہوتا بھی رہا۔ آیئے سب سے پہلے اسرائیل ہی کی دشمنی دیکھتے ہیں:

☆ ''عالمی یہودی تحریک کو اپنے لئے پاکستان کے خطرے کو نظر انداز نہیں کرنا

چاہئے اور پاکستان اس کا پہلا ہدف ہونا چاہئے کیونکہ یہ نظریاتی ریاست یہودیوں کی بقا کے لئے سخت خطرہ ہے اور یہ کہ سارا پاکستان عربوں سے محبت کرتا ہے اور یہودیوں سے نفرت کرتا ہے اس طرح عربوں سے ان کی محبت ہمارے لئے عربوں کی دشمنی سے زیادہ خطرناک ہے لہٰذا عالمی یہودی تنظیم کو پاکستان کے خلاف کاروائی کرنا چاہئے۔''

''بھارت پاکستان کا ہمسایہ ہے جس کی ہندو آبادی پاکستان کے مسلمانوں کی ازلی دشمن ہے جس پر تاریخ گواہ ہے۔ بھارت کے ہندو کی اس مسلم دشمنی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہمیں بھارت کو استعمال کر کے پاکستان کے خلاف کام کا آغاز کرنا چاہئے۔ ہمیں اس دشمنی کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر کرتے رہنا چاہئے۔ یوں ہمیں پاکستان پر کاری ضرب لگا کر اپنے خفیہ منصوبوں کی تکمیل کرنا ہے تاکہ صہیونیت اور یہودیوں کے یہ دشمن ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جائیں۔'' (اسرائیلی وزیراعظم بن گوریان کی تقریر 1967ء کے بعد' سے اقتباسات بحوالہ جیوش کرانیکل 9/اگست 1967ء)

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حوالے سے یہود کا نکتہ نظر آپ ملاحظہ کر چکے اور یہ بھی کہ اسرائیل دشمنی کے تقاضے کس راستے سے پورے کرے گا درمیانی پل بھارت ہوگا۔ بھارت جس کے ساتھ اعتماد سازی کے لئے پاکستانی قیادت کم و بیش تین چار عشروں سے ''مخلصانہ'' کوشش کر رہی ہے۔ ہمارے سامنے ایک سہ طرفی (THREE DIMENTIONAL) آئینہ ہے جس میں تصویر کے کئی پہلو سامنے آتے جاتے ہیں۔ مثلاً یہی پہلا تصویری منظر نامہ یہود کے ساتھ ہنود کی دشمنی پر بھی روشنی ڈال گیا۔ اب دوسرا رُخ ملاحظہ فرمائیے۔

اسرائیل کو برطانیہ اور امریکہ کی سرپرستی کا تاثر عام ہے مگر حقیقت اس کے برعکس ہے اور وہ یوں کہ اسرائیل جو چند لاکھ کی آبادی رکھتا ہے امریکہ و یورپ کو' بلکہ دنیا کو یواین او اور اُس کے تمام ذیلی اداروں کے ذریعے کنٹرول کرتا ہے۔ امریکہ ہی کی مثال کو سامنے رکھتے ہیں:

☆ ''میں نے کچھ عرصہ قبل لکھا تھا کہ امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل کے دورۂ مشرق وسطیٰ سے اس سوال کی وضاحت ہو جائے گی کہ امریکہ کی خارجہ پالیسی کون کنٹرول

کرتا ہے؟ امریکہ کے منتخب نمائندے یا پھر اسرائیل اور امریکہ میں موجود یہودیوں کی مضبوط اور موثر لابی؟؟ جواب ہمیں مل چکا ہے کہ اسرائیل ہی امریکہ اور اس کی خارجہ پالیسی کو کنٹرول کرتا ہے۔''

(CHARLI RAIZE- " THE END OF AMERICA'S PRESTIGUE)

☆ ''مسٹر پاؤل کی کمزوری، اُن کی اعصابی توانائی اور اُن کی بزدلی اسرائیل اور فلسطین کے درمیان ایک ایسی جنگ شروع ہونے کا سبب بن سکتی ہے جو ہمارے اندازوں سے کہیں زیادہ خوفناک ہوگی۔ مسٹر پاؤل، صدر بش اور اسرائیلی وزیراعظم ایریل شیرون کے ہاتھوں امریکہ کی ساکھ کا جنازہ نکل چکا ہے۔ اب یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ اسرائیل ہی اس خطے میں امریکہ کی خارجہ پالیسی کو کنٹرول کرتا ہے۔ امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ امریکہ کے نغمے الاپتا ہے۔''

(ROBERT FISK "THE INDEPENDENT" LONDON.)

پہلی تصویر میں اسرائیل اور بھارت کا چہرہ بڑا واضح تھا تو آئینہ دوسری تصویر میں اسرائیل اور امریکہ کو باہم شیروشکر دکھا رہا ہے۔ الجبرے کا مسلمہ قائدہ کلیہ ہے کہ اگر 'ا = ب' اور 'ب = ج' ہو تو لازماً 'ا = ج' تسلیم کیا جائے یوں اس کُلیے سے اسرائیل، بھارت اور امریکہ یک جان اور تین قالب مسلمہ حقیقت بن کر سامنے آتے ہیں۔

مثلاً امریکہ کی بھارت کے ساتھ سٹیر ٹیجک پارٹنرشپ اور سول نیوکلیر ٹیکنالوجی کا معاہدہ مشترکہ فوجی مشقیں وغیرہ یا اَسّی کی دہائی میں پاکستانی ایٹمی تنصیبات پر حملے کے لئے اسرائیلی جہازوں کی اُڑان، فضا میں ری فیولنگ اور حملہ کے بعد بھارتی اڈے جام نگر میں لینڈنگ کا مکمل انتظام۔ یہ حملہ پاکستان کو پیشگی خبر ہو جانے کے سبب ناکام ہوگیا تھا (الحمدللہ)۔ یہ ننگی جارحیت اسرائیلی بھارتی گٹھ جوڑ کی پاکستان کے خلاف عملی کاروائی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ 1965ء کا بلااشتعال بھارتی حملہ یا 1971ء میں بنگلہ دیش بنانے کے لئے ''مکتی باہنی کی تربیت کے ساتھ ساتھ بھارتی افواج کی کاروائی..... دوستی اور اعتمادسازی کی راہ ہموار کرنے کی کاروائی تھی؟۔

آیئے تیسری تصویر میں پاکستان کے ''جگری یار'' سٹیر ٹیجک پارٹنر، پاکستان کی

خودمختاری اور سالمیت کے تحفظ کے ٹھیکیدار کی لن ترانیوں کو دیکھتے ہیں۔ ملکی بقا و استحکام میں کلیدی کردار کسی بھی ملک کی مسلح افواج کا ہوتا ہے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی نظریاتی مسلح افواج ماضی کے 6 عشروں سے اس کردار کی امین ہیں۔ یہ کردار ہر دور میں اسرائیل، بھارت اور امریکہ کے اتحادِ ثلاثہ کے سینے کی پھانس تھی جو آج بھی ہے اور کل بھی رہے گی۔ اس پھانس کو نکالنے کا امریکی منصوبہ کیا ہے؟ اس تیسری تصویر میں جھلکی ملاحظہ فرمائیے:

☆ ''پاکستان کی مسلح افواج اپنے پیغمبر ﷺ کے لئے بے پناہ محبت رکھتی ہے اور یہی وہ رشتہ ہے جو عربوں کے ساتھ اِن کے تعلق کو اٹوٹ بناتا ہے۔ یہی محبت ''وسعت طلب عالمی صہیونی تحریک اور مضبوط اسرائیل کے لئے شدید ترین خطرہ ہے۔ لہٰذا یہودیوں کے لئے یہ انتہائی اہم مشن ہے کہ ہر صورت اور ہر حال میں پاکستانی افواج کے دلوں سے اُن کے پیغمبر ﷺ کی محبت کو کھرچ دیں۔'' (امریکی یہودی ملٹری ایکسپرٹ، پروفیسر ہرٹز کی رپورٹ سے اقتباس)

معروف سابقہ آئی ایس آئی آفیسر جناب قدرت اللہ شہاب مرحوم نے ''شہاب نامہ'' میں جرمنی کی کانفرنس کے دوران کسی معروف سفارتکار کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''پاکستان کی مسلح افواج کو کمزور کرنے کی حکمت عملی میں یہ بھی اقوامِ غرب نے طے کر رکھا ہے کہ پاکستانی اسٹیبلشمنٹ میں اپنے کارندوں کے ذریعے افواجِ پاکستان کو سول محکموں اور سول کاموں میں ملوث کر کے ''دنیاداری'' کی چاٹ لگا دی جائے تو موت سے خائف دنیا کی محبت میں گم ہو کر پروفیسر ہرٹز کی منصوبہ بندی کی تکمیل کر دیں گے۔''

مذکورہ طریقہ کار سے کیا جانے والا عملی پوری قوم کے سامنے ہے کہ فوج سول میں کیا کیا کردار ادا کر رہی ہے۔ امریکی، برطانوی تربیتی پروگرام بھی اسی منصوبہ بندی کا حصہ ہیں کہ تدریجی عمل سے زیرِ تربیت کو روشن خیال بنا دیا جائے۔ تربیت کے لئے انتخاب میں روشن خیالی کا خصوصی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ فاٹا قبائل کے ساتھ ''دہشت گردی کے خاتمے'' کے نام پر شروع کرائے گئے اپریشن میں یہی فلسفہ ہے کہ جو قوت دشمن کے خلاف استعمال کے لئے محفوظ تھی اُسے اپنوں کے خلاف لگا کر ضائع کرنے کے ساتھ ساتھ باہمی نفرت کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر کیا جائے، جو عملاً

ہورہا ہے۔

تینوں واضح تصاویر اپنے حکمرانوں کو، اُن کی اسٹیبلشمنٹ کو، سیاسی مذہبی راہنماؤں کو دکھا کر ہم یہ سول پوچھنا اپنا حق سمجھتے ہیں کہ کیا اب بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو ٹھکراتے کہ ''یہود و نصاریٰ کبھی بھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے''.....مذکورہ دشمنوں کو دوست سمجھ کر اپنا سب کچھ اُن پر نچھاور کرنا عقل و بصیرت کا فیصلہ ہے؟ یا عقل و شعور کو طلاق دے رکھی ہے؟؟

پاکستان کے کونے کونے میں دہشت گردانہ کاروایاں، خودکش حملے ہوں یا جی ایچ کیو اور نیول بیس جیسی منظّم لڑائی یہ دینی مدارس کے مبینہ طالبان کی کاروائیاں نہیں بلکہ موساد، را اور سی آئی اے کے تربیت یافتہ بلیک واٹر طرز کے کمانڈوز کے کارنامے ہیں۔ جو بلوچستان کو بنگلہ دیش اور کراچی کو سنگاپور بنانے کے لئے اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔ رحمان ملک کے خودساختہ ایسی کاروائیوں کی ذمہ داری قبول کرنے والے بھی ''پاکستانی طالبان'' پنجابی طالبان'' یا ''اسلامی دہشت گرد'' فی الواقعہ اسی اتحادِ ثلاثہ کے کارندے ہیں اور ملک صاحب سرپرست ہیں اگر ڈالروں کی بارش ضمیر کو گہری بیہوشی سے دوچار نہ کرتی تو غیرت مند قوم اور غیرت مند افواج کی یہ حالت نہ ہوتی جو حکمرانوں کے ہاتھوں ہو رہی ہے۔

خالق کائنات کی واضح ہدایت، کہ ''یہ غیر مسلم تمہارے دوست نہیں ہو سکتے انہیں رازدار نہ بناؤ''.....انہیں دوست سمجھنے والوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے ماضی و حال کے بے شمار واقعات ریکارڈ پر ہیں مگر اس کے باوجود ہوسِ زر نے آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے اور یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ ہوسِ زر انسان سے حمیت و غیرت چھین لیتا ہے اور بزدلی مقدر بن جاتی ہے۔ سوتے جاگتے یہ خوف طاری رہتا ہے کہ فلاں غالب آجائے گا فلاں مار دے گا خواہ گھر میں اسلحہ کا ڈھیر ہی کیوں نہ لگا ہو۔ یہی کیفیت آج کے حکمرانوں کی ہے جو ایٹم بم کے مالک ہوتے ہوئے سہمے ہوئے ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حکمرانوں کی نفسیات سے فائدہ اُٹھاتے امریکہ لمحہ لمحہ دباؤ بڑھا رہا ہے۔ نت نئے تقاضے اور دھمکیاں سامنے آرہی ہیں۔ کچھ کر گزرنے کے عندیئے سنائے جارہے ہیں اور پاکستانی قیادت غیرت مندرویہ اپنانے سے کترا رہی ہے۔ شاید ہی کوئی دن جاتا

ہو جب امریکی برطانوی 'دھمکی بردار' پاکستانی قیادت سے مل کر 'سخت پیغام' نہ پہنچاتا ہو۔اخباری بیانات اس پر مستزاد ہیں:

☆ القاعدہ پر دباؤ برقرار رکھیں گے (اوباما) قبائلی علاقے میں کاروائی کریں گے۔ امریکی صدر براک اوباما نے اسامہ کی ہلاکت کے بعد القاعدہ کے خلاف دباؤ برقرار رکھنے کے عزم کا اعادہ کیا ہے.....القاعدہ قیادت جہاں بھی ہوگی کاروائی کریں گے۔'' (ایکسپریس 30 جون)

یہ پاکستان کے سٹریٹیجک پارٹنر کا پاکستانی سالمیت برقرار رکھنے کے عزم کا ''مثبت'' پہلو ہے جس کا وہ ایک سانس میں چار چھ دفعہ دعویٰ کرتا ہے۔اس خبث باطن پر پاکستان نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔۔تکون کا دوسرا زاویہ بھارت ہے جو پاکستان سے ''انتہائی اچھے'' تعلقات کا خواہاں ہے۔ بھارتی حکومت کو پاکستان سے خیر خواہی کا دورہ پڑتا رہتا ہے۔ پاکستان کے حالات پر اُسے خیر خواہانہ تشویش بھی رہتی ہے۔مثلاً:

☆ ''اُمید ہے مشکلات کا شکار پاکستان مسئلہ کشمیر سے دستبردار ہو جائے گا (من موہن سنگھ) بھارتی وزیر اعظم من موہن سنگھ نے کہا ہے کہ پاکستان کو اندرونی مسائل درپیش ہیں۔ اُمید ہے مسئلہ کشمیر چھوڑ دے گا۔ وہ خطے کی بجائے اپنے مسائل، پنے امراض کا علاج کرائے اور اندرونی مسائل پر توجہ دے۔اُمید ہے کہ کشمیریوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دے گا'' (ایکسپریس 30 جون 2011ء)

رواداری کے انتہائی جذبات رکھنے والے راہنماؤں کے بیانات آپ پڑھ چکے جن سے بہترین تعلقات نبھانے کیلئے پاکستانی حکمران آخری حدیں پھلانگنے کیلئے ہر لمحہ بے چین دیکھے جاتے ہیں۔ بھارت کا کشمیر کیلئے ''مخلصانہ'' مشورہ بھی سامنے آچکا ہے وہ کشمیر جسے بانی پاکستان نے پاکستان کی شہ رگ قرار دیا تھا اور بجا قرار دیا تھا کہ پاکستان کی بقا خوشحالی اور پرسکون مستقبل کی ضمانت کشمیر ہے۔ یہ کشمیر ہی ہے جہاں سے تمام دریا آکر پاکستان کی زراعت کو پانی مہیا کرتے ہیں۔اسی کشمیر میں بھارت ڈیم تعمیر کر کے پاکستان کیلئے آنے والے پانی کو روک رہا ہے۔

اسرائیلی شر کی نقیب خفیہ ایجنسی ''موساد'' امریکی ''سی آئی اے'' اور بھارتی تخریب

کاروں کی ماں ''را'' مل کر ملک کے گوشے گوشے میں دندناتے دہشت گردی کی کارروایاں کروا رہی ہیں۔ دہشت گردی کی تربیت، دہشت گردوں کو انتہائی جدید اسلحہ اور نقد مال کی فراہمی یہ سب کچھ یہی اتحاد ثلاثہ کروا رہا ہیں۔ مگر اوّل تو ہم خود اسے 'اپنوں' کے کھاتے ڈالتے ہیں اور اگر بہ امر مجبوری کہنا ہی پڑے تو گول مول بیرونی ہاتھ کا ذکر دبی زبان سے کر کے معاملہ رفع دفع کرتے ہیں۔

کاش ہم دشمن کو دشمن سمجھ سکتے، دشمن کو دشمن کہہ سکتے، دشمن کی دشمنی سے بچنے کے اقدامات کر سکتے۔ ان تینوں کاموں کے لئے قومی غیرت وحمیت کے ساتھ ساتھ فہم وشعور اور بصیرت بھی ہمارا مقدر بن سکتی، کاش! اے کاش!!

ع سرور جو حق و باطل کی کار زار میں ہے

ع جہاں میں بندۂ حر کے مشاہدات ہیں کیا

؎ تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیئے!
تیری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیئے!

(ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں۔ اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔)

اعتذار قارئین سے گزارش ہے کہ حکمت بالغہ کے درج ذیل شماروں میں غلطیوں کی اصلاح فرمالیں۔

1۔ ماہ جولائی 11ء صفحہ 49 پر علامہ اقبال کا شعر اس طرح ہے

؎ ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں' کار کشا، کار ساز

صحیح مکمل شعر کا ایک علیحدہ سٹیکر (STICKER) اسی صفحہ پر موجود ہے اس کو متعلقہ مقام پر چسپاں کر کے اصلاح کر لیں

2۔ جون 11ء 'حقوقِ نسواں' نمبر میں صفحہ 3، 15 اور 32 پر سورۃ النساء (4) کی آیت نمبر 1 میں 'و بَثَّ' 'ث' کے ساتھ ہے تشدید کے نیچے 'ث' کا ایک نقطہ چھپ جانے سے ت معلوم ہوتا ہے۔

فرمودۂ اقبال

دل

قصۂ دار و رسن بازیٔ طفلانۂ دل
التجائے اَرِنی سرخیٔ افسانۂ دل
یارب! اس ساغرِ لبریز کی مے کیا ہوگی!
جادۂ ملکِ بقا ہے خطِ پیمانۂ دل
ابر رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یا رب!
جل گئی مرزعِ ہستی تو اُگا دانۂ دل
حسن کا گنجِ گرانمایہ تجھے مل جاتا
تو نے فرہاد! نہ کھودا کبھی ویرانۂ دل
عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی ! مرا کاشانۂ دل
اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سودا اپنا
دل کسی اور کا دیوانہ، میں دیوانۂ دل
تو سمجھتانہیں اے زاہدِ ناداں! اس کو
رشکِ صد سجدہ ہے اک لغزشِ مستانۂ دل
خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
وہ اثر رکھتی ہے خاکسترِ پروانۂ دل
عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے
برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے

فجر کی نماز کے لیے جاتے وقت کی دعا

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ

اے اللہ، عطا کردے

فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا

میرے دل میں نور اور میری آنکھ میں نور اور میرے کان میں نور

وَّ عَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَّ عَنْ شِمَالِیْ نُوْرًا وَّ خَلْفِیْ نُوْرًا

اور میرے دائیں بھی نور اور میرے بائیں بھی نور اور میرے پیچھے بھی نور

وَّ اجْعَلْ لِیْ نُوْرًا

اور مجھے نور عطا کردے

وَ فِیْ عَصَبِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ لَحْمِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ دَمِیْ نُوْرًا

میرے پٹھوں میں نور اور گوشت پوست میں نور اور میرے خون میں نور

وَّ فِیْ شَعْرِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ بَشَرِیْ نُوْرًا

اور میرے بالوں میں نور اور میری کھال میں نور (بھردے)

وَ فِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَ اجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا

اور میری زبان میں نور عطا کردے اور میری جان میں نور (پیدا کردے)

وَ أَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا

اور تو مجھے عظیم نور عطا فرمادے

وَ اجْعَلْنِیْ نُوْرًا

اور تو مجھے سراپا نور بنادے

حصن حصین، الجامع الصغیر بحوالھا حمد، صحیحَین، نسائی

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما